

دارالعلوم دیوبند کا

بانی کون؟

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم



ALAHAZRAT NETWORK
اعلیٰ حضرت نبوت ورک
www.alahazratnetwork.org

دارالعلوم دیوبند

باقی کون؟



ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

کتاب: دارالعلوم دیوبند کا بانی کون ؟

تصنیف: ڈاکٹر غلام محیٰ الخٹم

تعداد: گیارہ سو

اشاعت: ۱۹۹۹ء

صفحات: ۱۳۴

قیمت: Rs 30 P 0

اہتمام: دانشکدہ اے بلاک، مدرسہ اسلامیہ، پٹی پلا پور،

نئی دہلی - ۴۲۔ فون: - ۶۸۱۳۱۹۶ - ۰۱۱

(ناشر)

الذائر السنیہ

۱۶۷، ڈیٹیکر روڈ، ناگپارہ، ممبئی - ۸۰۰۰۱۱

تقسیم کار

فادوقیہ بک ڈپو

۴۲۲/۵، میا محسن، جامع مسجد دہلی - ۷

کتاب خانہ امجدیہ

ٹاؤن کلب کے سامنے، پکڑ بازار، بستی، یوپی

فہرست

- ۳ دیکھو اسے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو
- ۵ ابتدائیہ
- ۹ دیوبند اور دارالعلوم دیوبند
- ۳۶ بانی دارالعلوم کے حالات زندگی پر طائرانہ نظر
- ۵۱ دارالعلوم دیوبند کا اصل بانی کون؟
- ۸۲ بانی دارالعلوم دیوبند معترضین اور معترفین
- ۱۲۷ مسلک دیوبند کیا ہے استاذ دارالعلوم دیوبند کا انکشاف
- ۱۳۵ کتابیات

دیکھو اسے جو دیرِ عبرت نگاہ ہو

دارالعلوم دیوبند کا مسلکی مزاج وہی ہونا چاہئے جو اس کے اصل بانی حضرت حاجی عابد حسین علیہ الرحمۃ والرضوان کا تھا۔ (مصنف)
 حاجی سید محمد عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ نذر و نیاز اور میلاد و فاتحہ کو صرف جائز ہی نہیں سمجھتے تھے بلکہ ہر ہفتہ پابندی کے ساتھ اسکا اہتمام بھی کرتے تھے۔

(تذکرۃ العلما)

مسلک دیوبند میں نذر و نیاز اور میلاد و فاتحہ بدعت اور ناجائز و حرام ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ)

”قادیان“ اور ”دیوبند“ اگرچہ ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن دونوں کا سرچشمہ ایک ہے اور وہ دونوں اس تحریک کے پیداوار۔ جسے عرف عام میں ”روایت“ کہا جاتا ہے۔ (علامہ اقبال)

عائشہ علی سے لڑی، اگر تو بہ نہ کی ہوگی تو مرتد مری صحابہ کا علم ہم سے کم تھا، ان کو ہر ایک کو پانچ پانچ حدیثیں یاد تھیں۔ ہم کو ان سب کی حدیثیں یاد ہیں۔ (عبدالحق بنظر سید احمد علی بریلوی)

ان دیوبندیوں سے وہ بریلوی اچھے جن کے یہاں مولانا احمد رضا خاں صاحب کے نام پر تو کوئی اختلاف نہیں۔ یہاں تو سو سو سال میں آج تک یہی مقدمہ حل نہ ہو سکا کہ اس مسلک کا بانی کون تھا۔ جو لوگ اپنے بزرگوں کے درمیان انصاف نہ کر سکے ان سے یہ امید کیسے کی جاسکتی ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کے بارے میں عدل کی پالیسی اپنالیں گے۔

(حسن الہاشمی فاضل دارالعلوم دیوبند)

مسلک دیوبند جو دھویں صدی کی پیداوار ہے۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی سے پہلے کسی مسلمہ شخصیت سے اس مسلک کا کوئی تعلق نہیں

(مولانا انظر شاہ کشمیری)

ابتناء



چل کے بسمل کی حکایت تو سنو • کون کہتا ہے کہ دیوانہ ہے
 دارالعلوم دیوبند کے بانی حضرت سید محمد عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ ہیں
 ایک عرصہ سے یہ روایت علمائے حق کی زبان سے سنتے اور ان کی کتابوں
 میں پڑھتے چلے آئے ہیں لیکن اس تعلق سے میرے سامنے صرف روایت
 ہی روایت تھی کوئی ٹھوس دلیل نہیں جس کی وجہ سے میں اپنی بات خود
 اعتمادی کے ساتھ کسی کے سامنے نہیں بیان کر سکتا تھا۔ اس لئے بات
 ذہن میں آتی اور چلی جاتی تھی۔ ہمارے ایک رفیق کار نے جب مہاجر مکی
 حضرت حاجی امداد اللہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی اسلامی علوم میں خدمات
 و اثرات کے موضوع پر اپنا تحقیقی مقالہ پی ایچ ڈی کے لئے لکھا تو اس میں
 انہوں نے اس موضوع کو بھی چھیڑا اور معاصر شواہد کی روشنی میں سیر حاصل
 بحث فرمائی۔ اس تحقیقی مقالے کو پڑھنے کے بعد جو کچھ میں نے اپنے اکابر
 سے سنا تھا وہ سچ معلوم ہوا اس لئے بانی دارالعلوم کے تعلق سے مزید
 تفصیل کا اشتیاق دامن گیر ہوا لیکن کثرت کار کی بنیاد پر ان غیر ضروری امور
 کی طرف سانول گذر گئے متوجہ نہ ہو سکا۔ اب جب کہ دسمبر ۱۹۹۶ء میں ایک
 بار پھر دیوبند کی سرزمین سے اس بحث کا آغاز ایک مراسلہ کے ذریعہ ہوا
 اور وہ حقائق جن کی عرصہ دراز سے مجھے تلاش تھی سامنے آتے گئے تو آتش
 شوق تیز سے تیز تر ہو گیا۔ پھر سوچا کہ دارالعلوم دیوبند کے اصل بانی کے
 تعلق سے جو میں نے اکابر اہلسنت سے سنا اور پڑھا ہے اسے کیوں نہ
 مرتب کر کے عوام کی عدالت میں پیش کر دیا جائے تاکہ ملت اسلامیہ ایک

بار پھر اپنے اس عظیم محسن کی یاد تازہ کر کے اپنے قلب و نظر کو سکون و قرار بخش لے۔ جس نے ملت اسلامیہ کی اصلاح و تربیت اور انہیں علوم و فنون سے آراستہ کرنے کے لئے دارالعلوم دیوبند کے نام سے ایک عظیم قلعہ اس وقت بنا کر کھڑا کر دیا جب انگریز مسلمانوں سے علم کا رشتہ توڑنے کے لئے طرح طرح کی سازشیں رچ رہے تھے اور بھانت بھانت کے منصوبے بنا رہے تھے۔

بانی دارالعلوم دیوبند کے تعلق سے دسمبر ۱۹۹۶ء میں شروع ہونے والی بحث جب طویل پکڑ گئی اور مراسلہ کے ذریعہ ہی علمائے دیوبند کے درمیان ایک عرصہ تک لوگ جھونک جاری رہی تو میں نے اپنا مرتب کردہ طویل مقالہ قومی آواز دہلی کے ایڈیٹر کو برائے اشاعت اس نیت سے ارسال کر دیا تاکہ ان حقائق کی روشنی میں جلد کسی نتیجے پر پہنچ کر عرصہ سے جاری لوگ جھونک کو ختم کیا جاسکے۔ مگر ہوا یہ کہ وہ علمائے دیوبند جو آپس میں لڑ رہے تھے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کو بانی ثابت کرنے کے لئے ایک جٹ ہو کر مجھ پر برس پڑے اور مسلک کو ڈھال بنا کر ایک نئی بحث کا آغاز کر دیا۔ ایک طرف حلقہ دیوبندیت کے معروف و غیر معروف علماء اور دوسری طرف میں تنہا۔ تقریباً ایک ماہ قومی آواز دہلی میں بحث و مباحثہ چلتا رہا۔ اپنے آخری مراسلہ میں جس میں میں نے علمائے دیوبند کے سوالات کا جواب دیا تھا اور کچھ اعتراضات قائم کئے تھے۔ وہ مراسلہ مکمل نہ شائع ہو کر مختصر ہی چھپ سکا۔ اس کے بعد مدیر قومی آواز دہلی نے یہ نوٹ بھی لگا دی کہ اب اس تعلق سے کوئی مراسلہ قبول کیا جائے گا اور نہ ہی مضمون۔ اس طرح دو ماہ تک چلنے والی بحث دفعۃً اختتام پذیر ہو گئی۔

جن لوگوں نے اس بحث کو قومی آواز میں پڑھایا یا پڑھنے والوں کی

زبانی سنا ان میں کئی ایک لوگوں نے مسلم معاشرہ میں پھیلی ہوئی غلط فہمی کے ازالہ کے لئے میری جرات مندانہ اور ہمت مردانہ کی پذیرائی کی اور اس مکمل بحث کو شروع سے آخر تک کتابچہ کی شکل میں چھاپنے کا صرف مشورہ ہی نہیں دیا بلکہ اس کی اشاعت کی ذمہ داری بھی قبول فرمائی۔ علمائے حق کی طرف سے شکوئے کے مستحق ہیں تحریک فکر رضا کے ذمہ داران جنہوں نے اس کی اشاعت کا بیڑا اپنے ذمہ لے کر مجھے کئی ایک مشکلات سے بچا لیا۔

اس کتابچہ میں کل پانچ بحثیں شامل ہیں ان تمام مباحث کا تعلق کسی نہ کسی طرح دارالعلوم دیوبند اور اس کے بانی سے ہے۔ قومی آواز دہلی کے صفحات میں علمائے دیوبند سے جو میرا قلمی محرکہ ہوا، بانی دارالعلوم دیوبند اور ”معتبر صنیین“ کے عنوان سے وہ بحث بھی اس کتاب میں شامل ہے اور یہ اس کتاب کی چوتھی بحث ہے۔ اس کتاب کی آخری بحث ”مسئلہ دیوبند کیا ہے؟“ کے عنوان سے ہے یہ مقالہ کسی سنی پریلوئی عالم کا لکھا ہوا نہیں بلکہ دارالعلوم دیوبند کے استاذ تفسیر حضرت مولانا نظر شاہ کشمیری کا وہی مقالہ ہے جو البلاغ کراچی میں شائع ہوا تھا اس مقالہ کی افادیت کی خاطر یہاں شامل کیا جا رہا ہے تاکہ دارالعلوم دیوبند کے نئے فارغین جنہیں دیوبند کا اصل مسئلہ معلوم نہیں وہ اس مقالہ کے ذریعہ اپنا صحیح مسئلہ معلوم کر سکیں اور ساتھ ہی سماج میں مسئلہ دیوبند کے تعلق سے جو غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے وہ بھی دور کر سکیں یہ واضح رہے کہ مولانا نظر شاہ کشمیری کا مضمون بغیر کسی حذف و اضافہ اور تنقید و تبصرہ کے من و عن شائع کیا گیا ہے۔

جو کچھ اس کتاب میں تحریر ہے وہ مبنی براخلاص ہے۔ بحث و مباحثہ اور مناظرہ بازی کا مجھے قطعاً کوئی شوق نہیں۔ بانی دارالعلوم کے تعلق سے

جس قدر بھی میں نے محنت کی ہے اس کا مقصد وحید صرف اتنا ہے کہ دارالعلوم کے اصل بانی کے تعلق سے جو غلط فہمی عوام و خواص دونوں میں پائی جاتی ہے وہ دور ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ سے استمداد ہے کہ وہ میری اس حقیر کاوش کو قبول فرمائے اور دارالعلوم دیوبند کے اصل بانی حاجی محمد عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ کے تئیں دیوبندی عوام و خواص کے دلوں میں عناد و نفرت کی جو کائی جی ہے اسے پھرنج کے عقیدت و محبت کی شمع روشن فرمائے۔ (آمین)



(ڈاکٹر غلام محیٰ اسحاق)
تاریخ ۱۲ اکتوبر ۱۴۰۸ھ

صدر شعبہ علوم اسلامیہ
حمہ دیوبند یونیورسٹی
بہار نگر - نئی دہلی ۶۲

دیوبند



دارالعلوم دیوبند

دیوبند اور دارالعلوم دیوبند

دیوبند مغربی اتر پردیش کے ضلع سہارنپور کا مشہور قصبہ ہے۔ ۱۳۳۷ھ میں غیاث الدین تغلق کے عہد حکومت میں شاہ ہارون چشتی نامی ایک بزرگ نے علاقہ سہارنپور میں اقامت اختیار کی انھیں سے منسوب ہو کر سہارنپور کی آبادی کا آغاز ہوا ابتداً اس آبادی کو شاہ ہارون پور کہا جاتا رہا پھر رفتہ رفتہ کثرت استعمال سے ”شاہ ہارون پور“ سے ”سہارنپور“ ہو گیا۔ اور تاہم تھیں اس شہر کو اسی نام سے شہرت حاصل ہے۔ ”شہر در رب“ اثر۔ نام ہے۔

دیوبند اسی سہارنپور کا قصبہ اپنے ضلع سہارنپور سے کہیں زیادہ قدیم ہے۔ اس میں تعلقی سے کئی ایک مستند روایتیں بھی کتب تواریخ میں ملتی ہیں۔ بعض نے دیوبند کو طوفان نوح کے بعد کی ابتدائی بستیوں میں شمار کیا ہے۔ بعض مورخین نے اس کی آبادی بکرماجیت سے قبل کی بتائی ہے۔ اس قصبہ کا ذکر مارکنڈے پُران میں بھی ملتا ہے مورخین کے ان افکار و خیالات سے اتنا قوطے ہے کہ یہ قصبہ بہت قدیم ہے مگر اس کی آبادی کا آغاز کب ہوا اس کی صحیح تاریخ کسی کو معلوم نہیں۔

قصبہ دیوبند میں ایک مشہور قلعہ بھی تھا جس کا ذکر آئین اکبری جلد دوم ص ۱۳۷ پر ہے۔ یہ قلعہ راجگان ہستنا پور کے زمانے کا بتایا جاتا ہے۔ سلطان

سکندر شاہ ۹۹۲ھ ۱۳۸۵ء، ۹۲۳ھ ۱۵۱۶ء کے عہد میں حسن خان محمود دار
نے قدیم عمارت کو مسمار کر اگر از سر نو پختہ اینٹوں کا تعمیر کرایا تھا۔ حسن خاں
کے نام کی نسبت سے قلعہ کا مقام اب تک حسن گڑھ کہلاتا ہے۔

دیوبند کا اصل نام کیا تھا اس سلسلے میں بھی مختلف خیالات ہیں ہر
ایک مصنف نے اپنی تحقیق کے مطابق اس نام کے تعلق سے ایک نئی
توجیہ کی ہے۔ چنانچہ اس قصبہ کی وجہ تسمیہ کے تعلق سے درج ذیل اسماء
کا ذکر مورخین اپنی کتابوں میں کرتے ہیں ”دیوی بلاس، دیوی کنڈا دی بن، دیوبند“
تاریخ کی قدیم کتابوں میں آخری دونوں کا ذکر ملتا ہے۔ دیوبند کے
تعلق سے بعض کا قول یہ ہے کہ حضرت سلیمان پیغمبر نے اس کے قلعے
میں دیوؤں کو بند کیا ہے اس واسطے دیوبند ناما ہے۔ لہ وجہ تسمیہ کا
ذکر تھوڑی ردو بدل کے ساتھ میاں اصغر حسین نے جناب شیخ الہند کے
مقدمہ میں درج کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں:

”ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے
عہد میں دیوبند کے باشندوں کی فریاد پر آپ کے عمال نے یہاں آکر
ایذا دہندہ جنات کو قید کر دیا اور دیوؤں کا یہ قید آگے چل کر سبب
بن گیا۔ چنانچہ اسی روایت کی بنا پر ایک پرانے بند کمز میں کو دوبارہ کھولنے
کے وقت ایک جن کا نکلنا بھی عوام الناس کی زبان پر رہے۔
بعض مورخین نے دیوبند کا اصل نام دی بن قرار دیا ہے۔ اور لکھا ہے،
پہلے اس موقع پر جنگ لاق و دوق تھا ایک مکان معروف دی بن کنڈا اور دوسرا

۱۔ جفرانہ منسلح سہارنپور ص ۶۷۔

۲۔ تاریخ سہارنپور، منشی نذیر کنور ص ۱۷۷ مطبع مرلی دھڑ ۱۹۹۹ء

۳۔ مقدمہ جناب شیخ الہند، مصنف میاں اصغر حسین ص ۷ دارالکتب اصغر، دیوبند ۱۳۹۹ھ ۱۹۸۰ء۔

جنگل بلاس اس موقع پر واقع تھے۔ ان دونوں مکانوں کے سبب سے
بنام ہندو دیوبند مشہور ہوا۔ پہلے اس مقام کو دیوبی بن کہتے تھے۔ کثرت
استعمال سے دیوبند ہو گیا۔

دیوبند کی وجہ تسمیہ کے تعلق سے اسی قسم کی ایک دوسری توجیہ
دائرة المعارف الاسلامیہ میں ملتی ہے۔ اس میں واضح لفظوں میں لکھا ہے
۔ یہاں درختوں کے ایک جھنڈ کے درمیان گہرا ہوا کسی دیوبی کا ایک
مندر ہے جس کے پیش نظر خیال کیا جاتا ہے کہ دیوبند کو دیوبی بن (دیوبی جنگل)
کی بگڑی ہوئی شکل تصور کرنا چاہئے۔

قلعہ کے علاوہ دیوبند میں زمانہ ماضی کی اور بھی یادگاریں ایسی ہیں جو
اب تک موجود ہیں۔ چھتہ مسجد کو دیوبند کی قدیم ترین یادگار خیال کیا جاتا ہے
روایت ہے کہ شیخ علاء الدین المعروف بہ شاہ جنگل ہاشم رحمۃ اللہ علیہ
(۷۲۲ھ) جو وہاں دفن ہیں بشہور عالم ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ) کے شاگرد اور
شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۳۰ھ) کے مرید شیخ
بہار الدین زکریا ملتانی علیہ الرحمہ (۶۶۱ھ) اور شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ
(م ۶۸۹ھ) کے ہم درس اور پیر بھائی تھے۔

چھتہ مسجد یہ وہی عبادت خانہ ہے جہاں سرزمین دیوبند کی ہر و عزیز
شخصیت حضرت حاجی سید محمد عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ نے مراقبہ فرمایا
اور خدا کی عبادت و ریاضت میں اپنی زندگی کے گرانمایہ لمحات بسر کئے۔
اور ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ / ۱۸۶۶ء کو ایک دینی مدرسہ کی بنیاد ڈال کر علم و

۱۔ تاریخ سہارنپور ص ۳۳

۲۔ دائرة المعارف الاسلامیہ ج ۹ ص ۶۲

۳۔ تاریخ دیوبند ص ۶۶

فن کی جو شمع روشن کی اس کی کڑوں سے بلاشبہ ملت اسلامیہ کا ایک طبقہ مستفیض ہو رہا ہے۔ حاجی سید محمد عابد کی مخلصانہ جدوجہد اور بے لوث خدمت کے سبب یہ مدرسہ بہت ہی جلد ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہو گیا اور چند ہی سالوں میں اس مدرسہ میں فقہی کتابوں کا درس ہونے لگا۔ جو چیز جتنی اہم ہوتی ہے اس کی مخالفت بھی اسی اعتبار سے ہوتی ہے۔ ہوا و ہوس کے نشانے چاروں طرف سے اس ادارہ پر پڑنے لگے۔ حاجی عابد صاحب چونکہ اللہ والے تھے ان کا ہر عمل للہیت اور خلوص پر مبنی تھا اس لئے مخالفتوں کی تاب نہ لا کر وہ ادارہ سے جدا ضرور ہو گئے لیکن اس ادارہ کی ہر ہر اینٹ میں چونکہ ان کا خون جگر شامل تھا اس لئے اس کی ترقی نہ رک سکی اس کی تائید آئینہ دار العلوم کی اس عبارت سے ہوتی ہے:

”ابتداءً دارالعلوم کی حیثیت ایک چھوٹے مدرسہ سے زیادہ نہ تھی بے سروسامانی کا عالم تھا اور کوئی ظاہری سامان بھی نہ تھا مگر چونکہ اس کی بنیاد اخلاص و للہیت پر رکھی گئی تھی اس لئے یہ ادارہ بتدریج ترقی کرتا گیا۔“

حاجی صاحب کا قائم کردہ وہی مدرسہ آج عالم اسلام میں دارالعلوم دیوبند کے نام سے مشہور ہے اور ملت اسلامیہ کے ایک طبقہ کے لئے مرکز توجہ ہے۔

یہی وہ دارالعلوم دیوبند ہے جس کی تاریخی حیثیت منسوخ کر دی گئی اور بانی کی حیثیت سے مولانا محمد قاسم نانوتوی کو پیش کر دیا گیا سالانہ واقعہ یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے قیام کے وقت نہ تو موصوف وہاں موجود تھے اور نہ ہی ان کا کسی طرح کا تعاون و مشورہ رہا۔ اس کھلی حقیقت کے باوجود

حاجی صاحب کی شخصیت اور ان کے مبارک نام کو ایک مدت ہوئی پردہ گمنامی میں ڈال دیا گیا اور بانی کی حیثیت سے ہر ممکن طور پر مولانا محمد قاسم نانوتوی کے نام کی تشہیر کی جا رہی ہے۔ اس وقت ہمارے سامنے شعبہ نشر و اشاعت دارالعلوم دیوبند کی جانب سے شائع شدہ دارالعلوم دیوبند کے تعلق سے ایک تقاریر کی کتابچہ ہے۔ اس کتابچہ پر دارالعلوم دیوبند کا قیام، پس منظر اور اجمالی خدمات کے عنوان سے ایک مختصر مضمون شامل ہے۔ اس مضمون میں دارالعلوم دیوبند کے ذمہ داروں نے لکھا ہے:

۱۸۵۷ء کے انقلاب نے مسلمانی حکومت کا نام و نشان تک مٹا دیا اور اس کے بعد مسلمانوں پر ہر طرح سے قیامت لوٹ پڑی حد یہ ہے کہ مسلمانوں کے دینی جذبات اور اسلامی غیرت و حمیت کو بھی بے دردی سے کچل دیا۔ مدارس اسلامیہ ایک ایک کر کے بند ہو گئے۔ اس طوفانی انقلاب نے اس وقت کے علمائے کرام اور مشائخ عظام کو جنسور و ڈالا اسلامی تعلیمات کی بقا و تحفظ کتاب و سنت کی اشاعت اور مسلمانوں کو اپنے دین پر حمائے رکھنے کا مسئلہ اہم اور سنگین بن کر سامنے تھا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ اس حیرانی و پریشانی کے پُر آشوب زمانے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کچھ وفادار بندوں میں جرات و ہمت پیدا کر دی چنانچہ انھوں نے جان و مال سے بے پروا ہو کر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت و بقا کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور اسلامی تعلیمات کے تحفظ اور اس کی اشاعت کے لئے سینہ سپر ہو گئے۔

قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ اور آپ کے رفقاء کے کارنے مل کر ان تمام صورت حال کا جائزہ لیا۔ اس وقت حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے بھی اس سلسلے میں مشورہ کیا گیا۔ مل جل کر سمجھوں نے طے کیا کہ پورے برصغیر میں آزاد دینی مدارس کا

سلسلہ شروع کیا جائے اور ان تمام مدارس کے مکمل اخراجات کا بار خود مسلمان برداشت کریں اور سب سے پہلا مدرسہ بجائے کسی بڑے شہر کے قصبہ دیوبند میں قائم کیا جائے۔ چنانچہ اس پالیسی کے مطابق ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء کو اس مدرسہ کی بنام خدا داغ بیل ڈال دی گئی جس کا سیدھا سا دھانا نام "اسلامی مدرسہ عربیہ" تجویز ہوا جو آگے چل کر آج پورے عالم اسلام میں ام المدارس، جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند کے نام سے مشہور ہے۔

یہ ہے وہ پراسرار فریب جس کی نقاب کشائی کے لئے پہلے مقالہ لکھا گیا اور پھر کتاب ترتیب دی گئی تاکہ ملت اسلامیہ کے ان بھولے بھالے افراد پر واضح ہو جائے کہ وہ ادارہ جہاں کتاب و سنت کی تعلیم ہی اصل ہو وہاں کے ذمہ دار علماء اس قسم کی غلط بیانی سے قوم مسلم کو گمراہ کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔

دارالعلوم دیوبند کا بانی کون ہے اس سلسلے میں علماء و دانشوروں کے مختلف خیالات و نظریات ہیں۔ اور آئے دن اس ادارہ کے اہل بانی کے تعلق سے ارباب علم و دانش کی علمی تحقیق اخبار و رسائل کی زیرِ نعت بنتی رہتی ہیں اس تعلق سے ابھی ایک زوردار بحث اس وقت شروع ہوئی جب ۱۹ نومبر ۱۹۹۶ء کو مسجد اقصیٰ کے سابق امام دارالعلوم دیوبند کی زیارت اور اس ادارہ کی خدمات کا اعتراف کرنے دیوبند حاضر ہوئے پہلے تو حسب معمول انہیں استقبالیہ دیا گیا پھر ان حضرات کی خدمت میں ایک سپاس نامہ عربی زبان میں پیش کیا گیا۔ اس سپاس نامہ میں دارالعلوم دیوبند اور وہاں کے فضلاء کا ذکر تو تھا ہی ساتھ ہی اس ادارہ کے بانی حاجی سید محمد عابد حسین قادری رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ہی نہیں تھا بلکہ بحیثیت بانی ان کی مخلصانہ کاوشوں کو کافی سراہا بھی گیا تھا۔

بعض فضلاء دارالعلوم دیوبند کو یہ بات بری لگی اور انہوں نے ایک مراسلہ اس تعلق سے قومی آواز دہلی کے مراسلہ کالم میں لکھ مارا۔ مراسلہ چھپتے ہی انہوں نے دارالعلوم کے کان کھڑے ہو گئے اور وہ حضرات جو مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب کو دارالعلوم دیوبند کا بانی سمجھتے ہیں اس انتظامیہ پر برکس پڑے جس نے ان شیوخ کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا تھا۔ جناب محمد رضوان عالم قاسمی شمس نے اس تعلق سے اپنے دل کے پھپھولے پھوڑتے ہوئے بانی دارالعلوم کی بحث کا آغاز کرتے ہوئے قومی آواز کے مدیر کو لکھا:

”میں آپ کے مقررہ نامہ قومی آواز کے توسط سے ارباب دارالعلوم دیوبند و فضلاء دارالعلوم دیوبند کی توجہ خصوصاً اس جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ مسلک دیوبند کے ترجمان دارالعلوم دیوبند کا بانی کون تھا؟ اس سوال کے جواب کی ضرورت آج ہنگامی طور پر اس لئے پڑی کہ دارالعلوم کی موجودہ انتظامیہ بانی دارالعلوم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے نام کو بانیان دارالعلوم کی فہرست سے بالکل خارج کر رہی ہے اور ہر موقع پر باہر سے آنے والے معزز مہانوں کو یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ حضرت حاجی عابد صاحب ہی دارالعلوم کے اصل بانی مہانی تھے۔ یہاں تک کہ بانی دارالعلوم کے فرزند حضرت مولانا حافظ احمد صاحب جو ۳۶ سال تک دارالعلوم کے مہتمم رہے اور پھر بانی دارالعلوم حضرت نانوتویؒ کے پوتے حکیم الاسلام حضرت الحاج مولانا قاری محمد طیب صاحب جو ساٹھ سال تک دارالعلوم کے منصب اہتمام پر فائز رہے۔ مدرسہ سے دارالعلوم بنایا اور پھر اجلاس صد سالہ کر کے پوری دنیا میں دارالعلوم کو متعارف کرایا۔ آج خاندان قاسمی کے ان معصوم بزرگوں کے نشان تک دارالعلوم سے مٹاتے جا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت حجتہ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب

نانوتوی بانی دارالعلوم کے روضہ اقدس پر جو کتبہ لگا یا گیا ہے اس میں بانی دارالعلوم بھی نہیں لکھا گیا ہے جب کہ دوسرے حضرات کے روضہ پر بانی دارالعلوم کا کتبہ لگا ہوا ہے۔ ابھی ۱۹ نومبر ۱۹۷۹ء کو جب مسجد اقصیٰ کے سابق امام نکھنوی سے دارالعلوم تشریف لائے تو مغرب کی نماز کے بعد ان کے اعزاز میں ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں دارالعلوم کی تاریخ کو توڑ مروڑ کر ہزاروں کے جمع میں مسجد رشید کے منبر سے پیش کیا گیا، نظامت کے فرائض انجام دیتے ہوئے دارالعلوم کے استاد مولانا شوکت اعظمی نے حضرت شیخ الہند سے لے کر موجودہ مہتمم صاحب تک کا تعارف کرایا مگر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب و حضرت مولانا حافظ احمد صاحب کا چرچہ تک نہ ہوا۔ اسی طرح نائب مہتمم قاری محمد عثمان صاحب نے مہتمم دارالعلوم کی جانب سے تاریخ دارالعلوم کا ایک خاکہ کتابچہ کی شکل میں عربی میں امام اقصیٰ کو پیش کیا تو اس میں بانی دارالعلوم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، حضرت حاجی عابد صاحب اور حضرت مولانا رفیع الدین صاحب کو شمار کرایا گیا ہے اور جو اصل تھے یعنی حضرت نانوتوی ان کا نام غائب کر دیا گیا۔ ایسے واقعات دارالعلوم کی تاریخ کو بدنام کرنے کی بدترین مثال ہیں۔ لہذا فضلاء دارالعلوم سے خصوصاً گذارش ہے کہ وہ اس موقع پر حق کا اظہار کرتے ہوئے دارالعلوم اور مسلک دیوبند کی تاریخ کا دفاع کریں اور اس مراسلہ کا جواب مراسلات مضامین اور خطوط کے ذریعہ سے دے کر ارباب دارالعلوم اور موجودہ انتظامیہ کو متنبہ کریں۔

محمد رضوان عالم قاسمی شمس

مقام پوسٹ ہسپلی، ضلع ارریہ بہار

یہ تھا وہ پہلا مراسلہ جس نے فرزند ان دارالعلوم دیوبند کو جنجھوڑ کے رکھ دیا اور وہ لوگ جو مولانا محمد قاسم نانوتوی کے بانی ہونے کا دعویٰ کرتے تھے قرطاس و قلم لے کر میدان میں کود پڑے اور مہینوں سوال و جواب اور پھر جواب الجواب کا سلسلہ جاری رہا۔ مذکورہ مراسلہ کی کاٹ کرتے ہوئے دارالعلوم دیوبند ہی کے ایک طالب علم عبد الجبار مظفر نگر ہی نے لکھا

”مجھے افسوس ہے محمد رضوان صاحب پر جنجھوڑ نے اپنے نام کے آگے قاسمی لگا کر دیوبندیت اور قاسمیت کی شان کو بے پناہ مجروح کیا ہے اس لئے اگر ان کو عربی کی ذرہ برابر بھی شہید ہوتی تو کبھی ایسا نہیں کہہ سکتے تھے اور زیادہ افسوس اس بات پر ہوتا ہے کہ ۸ سال صرف کہ کے تعلیم حاصل کی اور قاسمی بنے اور عربی میں صفر؟ یہاں تک کہ جو سار کبادی کے کلمات قاری محمد عثمان صاحب نے حضرت مہتمم صاحب کی جانب سے امام مسجد اقصیٰ کی خدمت میں عربی زبان میں پیش کئے وہ بھی نہ سمجھ پائے اور اعتراض کر بیٹھے۔“

جناب محمد رضوان عالم قاسمی ٹھہسی کے مراسلہ کی تردید میں دارالعلوم دیوبند کے دوسرے طالب علم جناب جاوید اشرف مدھی پوری کا ایک دوسرا مراسلہ بھی شائع ہوا موصوف نے ٹھہسی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا:

”ٹھہسی صاحب کو جو کچھ لکھنا تھا لکھتے لیکن ضروری تھا کہ حقائق کا دامن نہ چھوڑتے کذب بیانی سے آدمی کا وقار مجروح ہو جاتا اور بات کی اہمیت گھٹ جاتی ہے بلکہ غیر معتبر ہو کر رہ جاتی

ہے ممکن ہے سنی سنائی بات پر یہ سب کچھ لکھ ڈالا ہو لیکن جب اخبار میں آنا ہی مقصود تھا تو اس سے پہلے حقیقت معلوم کر لیتے۔ لے
کمل دیوبندی نے اپنے طویل تردیدی مراسلے میں اس بحث کو
متنوع بنا دیا اور انھوں نے دارالعلوم دیوبند کی عمارت کے علاوہ
قبرستان کو اس بحث میں لپیٹ کر کس پر کس کی اجارہ داری ہے کو بھی دفع
کیا ہے۔ انھوں نے اس بات پر بھی زور دیا کہ یہاں کے نصاب تعلیم میں
دارالعلوم دیوبند کی تاریخ بھی پڑھائی جانی چاہئے تھی تاکہ نئی سنیں سفید پوش
لوگوں سے دھوکہ نہ کھا سکیں۔ انھوں نے اپنے مراسلہ میں بانی دارالعلوم
کے تعلق سے اپنا نظریہ ان لفظوں میں پیش کیا :

” میری اپنی جانکاری کے مطابق حضرت مولانا قاسم نانوتوی
دارالعلوم کے قیام کے آٹھ سال بعد دیوبند تشریف لائے اسی
زمانے میں نظریاتی اختلاف کی بنا پر حاجی عابد حسین صاحب
نے ایک تحریر کے ذریعہ اس عمارت کی سرپرستی وقف کی شکل میں
مولانا قاسم کے خاندان کے حوالے کر دی تھی واضح ہو یہ تحریر
۱۹۹۱ء میں دارالعلوم پر ناجائز قبضے کے بعد عدالت میں یہ ثابت
کرنے کے لئے پیش کی گئی تھی کہ دارالعلوم ایک وقف ادارہ ہے
جبکہ ناجائز قابض گروپ نے اس کو عدالت میں رجسٹرڈ ادارہ
کہا تھا۔ اوپر کی چند سطروں اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ
بانی دارالعلوم کون ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس کا
قیام حاجی صاحب مرحوم کی بنگالی میں ہوا کیونکہ وہ شہر کی ایک
معزز شخصیت تھے مگر اس کو عروج قاسمی خاندان نے دیا جس

میں نمایاں رول حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری طیب صاحب کا تھا۔
 دارالعلوم دیوبند کے فروغ میں مولانا قاسم نانوتوی اور ان کے خاندان
 نے جو قربانیاں دی ہیں اس کا اعتراف تو ہر فرد بشر کو ہے لیکن ادارہ کے
 قیام کے سلسلے میں حضرت سید حاجی محمد عابد صاحب کی انتھک جدوجہد
 کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا دارالعلوم دیوبند کے مشہور استاذ حضرت
 مولانا مناظر احسن گیلانی نے باضابطہ اس موضوع پر تحقیق کی پھر اس نتیجے
 پر پہنچے کہ اس ادارہ کے اصل بانی حاجی سید محمد عابد صاحب ہی ہیں
 اس کا انکشاف دارالعلوم کے قدیم فارغ التحصیل محمد یونس نے ایک
 مراسلہ میں ان لفظوں میں کیا ہے :

”مجھے یاد ہے میں اس وقت دارالعلوم دیوبند میں تعلیم
 حاصل کرتا تھا۔ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد اور شیخ الادب
 والفہ مولانا اعجاز علی حیات تھے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی کو
 بانی دارالعلوم کون؟ تحقیق سپرد کی گئی۔ مولانا مناظر احسن گیلانی
 نے اپنے قلم سے حضرت حاجی عابد کو بانی دارالعلوم تحریر کیا۔
 قاری طیب صاحب نے اعتراض کیا مولانا مناظر احسن گیلانی
 نے فرمایا میری تحقیق یہی ہے کہ حضرت حاجی عابد بانی دارالعلوم
 ہیں اور میں اپنے قلم سے اس کو قلم زد نہیں کروں گا آپ کی
 مرضی آپ اپنے قلم سے اس کو قلم زد کر دیجئے۔ قاری صاحب
 نے براہی کا اظہار فرمایا اور اپنے قلم سے اس کو قلم زد کر دیا جس
 کی لاشی اس کی بھینس) یہ مثال مولانا طیب صاحب نے صحیح کر کے
 دکھائی؟ معصوم کوئی نہیں ہے۔“

حقیقت اپنی جگہ ہے کہ دارالعلوم کے بانی حضرت حاجی عابد ہیں
حافظ محمد احمد مہتمم رہے پھر ان کے بیٹے مولانا طیب مہتمم رہے اس
وجہ سے ان کے دادا بانی دارالعلوم بن گئے۔ ان مثالوں سے
کوئی فائدہ نہیں ہے۔ حقیقت سے انحراف کب تک کریں گے
کبھی نہ کبھی تو حقیقت کھل کر سامنے آ ہی جاتی ہے۔

سید افتخار حسین محلہ ضیاء الحق دیوبند قبلہ حضرت حاجی سید محمد عابد حسین
رحمۃ اللہ علیہ کے خاوندہ کے چشم و چراغ ہیں اس بحث میں ان کا شامل ہونا اس
لئے ضروری تھا کہ حقائق و معارف کی جو دستہ یزان کے پاس ہیں اس
سے بہت سی باتوں کی عقدہ کشائی ہوتی ہے۔ انہوں نے اپنے مراسلے میں
دارالعلوم کی تاریخ کے سلسلے میں جن حقائق کا انکشاف کیا ان کا اختصار
فریل میں دیا جا رہا ہے وہ فرماتے ہیں،

” سب جانتے ہیں کہ دارالعلوم ایک الہامی مدرسہ ہے اور یہ
الہام الحاج سید محمد عابد حسین صاحب پر ہوا تھا جس کا تذکرہ مولانا
ذوالفقار علی صاحب (والد ماجد شیخ الہند) نے اپنی کتاب
”الہدیۃ السنہ فی ذکر المدرستہ الاسلامیۃ الدیوبندیۃ“
مطبوعہ ۱۳۱۵ھ میں اس طرح کیا ہے ” وہ فخر ماثل، الماجد سید محمد عابد
رحمۃ اللہ علیہ ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو حساب کے برسنے تک اور
کتاب کے پڑھ جانے تک باقی رکھے اس مدرسہ مقدسہ کی
بنیاد قائم کرنے کا الہام کیا؟ اور آپ آگے دیکھتے ہیں؛

” پس حضرت ممدوح نے تانید رائے کے لئے ۱۲۸۵ھ میں پکارا
خلعت نے اسے نہایت غور سے سنا اور قبول کیا اور جناب

والا کی التماس کا اتباع کیا پس یہ مدرسہ آنجناب کی سعی مشکور سے
 علم اور علمائے کرام کا ٹھکانہ اور مرجع فضل و فضلاء و پناہ دین و دنیاء بن گیا۔
 ● چندہ کئے لئے رومال پھیلانے والے اور سب سے پہلے چندہ دینے
 والے حاجی سید محمد عابد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں اس کی تصدیق
 مولانا فضل الرحمن نے اپنے مشہور قصیدہ میں اس طرح کی ہے
 مرد حق عابد صداقت کیش اولیں گستر اندر موالش
 ہم باخلاص دل دریاں بہناؤ خیرے از طیبات اموالش
 گویا میں ہمہ فتوح کثیر در رسیدہ ہمہ بافضالش
 لیکن میں طائر ہمایوں فال شد ز قاسم عطا پر دبالش
 اور اس کی تائید مولانا فضل حق صاحب نے بھی سوانح مخطوطہ میں تفصیل
 کے ساتھ بیان کی ہے ملاحظہ ہو سوانح قاسمی مولانا مناظر حسین صاحب
 گیلانی (ص ۲۳۸ ج ۲) :-

● جس زمانے میں دارالعلوم قائم ہوا اس زمانے میں مولانا قاسم صاحب
 نانوتوی میرٹھ کے مطبع مہتابی میں تصنیف کا کام انجام دیتے تھے جس کا ذکر
 مولانا یعقوب صاحب نے سوانح عمری مولانا محمد قاسم (مطبوعہ ۱۲۹۷ھ)
 میں یوں کیا ہے احقر اس زمانے میں بریلی اور لکھنؤ ہو کر میرٹھ میں اسی
 چھاپہ خانہ میں نوکر ہو گیا منشی جی جج کو گئے تھے اس وقت ایک جماعت
 نے مولوی محمد قاسم صاحب سے مسلم شریف پڑھی احقر بھی شریک رہا یہ
 وہی زمانہ تھا کہ مدرسہ دیوبند کی بنیاد پڑی۔

● دیوبند میں مولانا قاسم صاحب کا قیام ۱۲۹۷ھ سے پہلے ثابت نہیں
 ہے ۱۲۹۷ھ میں دیوبند کی جامع مسجد میں سالانہ امتحان منعقد ہوا اہل اسلام
 اور خیر خواہان دارالعلوم جو مختلف اضلاع اور نواح سے تشریف لائے ان
 میں قابل ذکر نام یہ ملتے ہیں۔ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، مولانا رشید احمد

گنگوہی، مولانا نور اللہ صاحب گلاؤٹھی (روداد ۱۲۹ھ) اس سے پہلے تک مولانا قاسم صاحب کا مستقل قیام میرٹھ اور نٹلی میں رہا کبھی نانوتہ اور دیوبند بھی آجایا کرتے تھے۔

● ۱۳۰۶ھ میں شاہ رفیع الدین صاحب کے دیوبند سے ہجرت کر جانے کے بعد مدرسے سے ایک اشتہار شائع ہوا تھا (جو الحمد للہ ہمارے پاس ابھی تک محفوظ ہے) جس پر مندرجہ ذیل بزرگوں کے دستخط موجود ہیں۔ مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا ذوالفقار علی صاحب، مولانا فضل الرحمن صاحب، مفتی فضل حق صاحب، مہتمم سوم دارالعلوم دیوبند، حکیم مشتاق احمد صاحب (دیوبندی)، حکیم ضیاء الدین صاحب رام پوری۔ اس اشتہار کا ایک ٹکڑا نقل کر رہا ہوں

”جملہ خیر خواہان مدرسہ کو بسبب روانگی مولوی صاحب موصوف کے نہایت تشویش پیش آئی ناچاد بجز اس تدبیر کے کوئی چارہ نہ بن چکا کہ سب مجتمع ہو کر بمختصات بابرکت حضرت حاجی محمد عابد صاحب جو بانی مدرسہ و مجوز اول ہذا حامی و سرپرست دوسرے ارباب شوریٰ ہیں حاضر ہو کر ملتی ہوئے کہ اب جناب اس کا بہ اہتمام کو انجام دیں کہ آخر یہ مدرسہ آپ کا ہی ہے۔“

رضوان صاحب! ابتدائی تیس سالوں کی رودادوں میں بارہا حاجی محمد عابد صاحب کو اصل اصول مدرسہ (بانی بانی) لکھا گیا ہے ملاحظہ ہو (روداد ۱۲۸۶ھ) حضرت نانوتوی کو مدیر لکھا گیا اور بعض جگہ مرنی اعظم کے الفاظ ملتے ہیں لیکن اصل اصول حاجی صاحب کو ہی لکھا گیا ہے (روداد ۱۲۹۵-۱۲۹۶ھ) اگر مولانا قاسم صاحب دارالعلوم کے بانی تھے تو کیوں ان بزرگوں نے حاجی صاحب کو بانی لکھا مولانا کو بانی نہیں لکھا۔ ۱۳۱۶ھ میں مولانا حافظ احمد صاحب ابن مولانا قاسم صاحب دارالعلوم کے مہتمم مقرر ہوئے دنا سائے نام کے ساتھ مولانا قاسم صاحب نانوتوی کو ۱۳۲۵ھ تک سابق

سرپرست لکھتے رہے، کیا مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ سے پہلے بانی نہیں تھے۔ مولانا کو بانی کہنے والے حضرات اس کا جواب عنایت فرمائیں۔ لے
 قاضی فرید پاشا آزاد نائب قاضی شہر مظفرنگر کی تحریروں سے بھی
 یہی پتہ چلتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے اصل بانی حاجی سید محمد عابد حسین
 رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے۔ انھوں نے اپنے ایک مراسلے میں لکھا ہے،
 ” قریب پانچ سال پہلے جب میں دہلی کے ایک مشہور رشتہ ور
 اخبار کے لئے کام کرتا تھا جب میں نے یہ تحقیقات کی تھی کہ
 دارالعلوم کا اصل بانی کون تھا اور اسی زمانے میں میرا ایک
 مضمون اس موضوع پر شائع ہوا تھا جس میں تمام ثبوت کے
 ساتھ یہ بتایا گیا تھا کہ دارالعلوم دیوبند کے اصل بانی حاجی سید
 عابد حسین صاحب تھے یہ تمام ثبوت آج بھی میرے پاس موجود ہیں؟
 ” قاضی فرید پاشا نے اپنے طویل مکتوب میں یہ بھی لکھا ہے،
 ” حاجی عابد حسین کے ایک مرید نے اپنی زمین حاجی صاحب کے
 نام ہبہ کر دی جس کے حدود اربعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آج جہاں
 دارالعلوم ہے یہ اسی ہبہ کردہ زمین پر قائم ہے؟“ لے

جب پے درپے کئی مراسلے دارالعلوم دیوبند کے اصل بانی کے تعلق
 سے شائع ہوئے تو اس سلسلے میں جو کچھ مجھے معلوم ہوا انہیں ترتیب دینا شروع
 کر دیا۔ حضرت حاجی سید محمد عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت و جلالت
 کا معترف میں پہلے ہی سے تھا کیونکہ وہ سلسلہ قادریہ کے عظیم بزرگ تھے
 اور حضرت میاں راج شاہ ہریانہ علیہ الرحمۃ والرضوان سے انھیں خلافت

حاصل تھی یہ وہ ذہنی مناسبت تھی جس نے میری مخلصانہ فوج کو ہمبند کیا اور دارالعلوم دیوبند کے اصل بانی کا پتہ لگانے میں منہمک ہو گیا، اس سلسلے میں جتنے معاصر دستاویز و تحریریں تھیں تقریباً سب میں نے لکھنا ڈالیں اور ایک شبہ جو ایک زمانے سے میرے ذہن میں تھا اپنی تحقیق و تامل کے ذریعہ اسے رفع دفع کیا۔ اور اپنے اس طویل مقالے میں یہ بہت جلد حقائق و شواہد پیش کئے جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت نابھی صدیق کا ہر ہی دارالعلوم دیوبند کے اصل بانی ہیں مولانا محمد قاسم نانوتوی کو دارالعلوم کی بنا سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

اخبار چراغ حرم دسمبر ۱۹۵۵ء میں دارالعلوم دیوبند کا بانی کون ہے؟ عنوان سے ایک مقالہ شائع ہوا تھا اس مضمون کے علاوہ بانی دارالعلوم دیوبند کے عنوان سے مختصر مضمون شائع کرنے کے بعد ”چراغ حرم“ کے ایڈیٹر جناب اظہر صابری نے ارباب علم و فضل سے یہ درخواست کی تھی کہ بانی دارالعلوم دیوبند کے تعلق سے لوگ اپنی معلومات و تحقیقات پیش کریں۔ ایڈیٹر کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے سید افتخار حسین شہزاد خان حافظ سید محمد عابد حسین صاحب قدس سرہ نے حقائق و معارف پر مشتمل اپنا مقالہ چراغ حرم کے ایڈیٹر کے نام ارسال کیا یہ مقالہ چراغ حرم میں نو شائع ہوا ہی ساتھ ہی کتابچہ کی شکل میں بھی اسے شائع کیا گیا میرے پیش نظر وہی کتابچہ ہے جو کل جو وہ صفحات پر مشتمل ہے جس کے سرورق پر واضح لفظوں میں یہ عبارت درج ہے۔

دار بانی دارالعلوم دیوبند حاجی سید محمد عابد حسین صاحب

رحمۃ اللہ علیہ ہیں مولانا محمد قاسم صاحب نہیں ہیں ؟

اس کتابچہ میں کیا ہے اس کا تفصیلی ذکر تو کسی اور مقام پر کیا جائے

گا۔ یہاں صرف اتنا عرض کیا جا رہا ہے کہ

۔ حاجی صاحب نے تین چلتے کئے پہلو جنگل میں دوسرا جو دھری صابو بخش کی مسجد میں اور تیسرا مسجد چھتہ میں جب آپ تیسرے چلتے ہی میں تھے کہ آپ کو مدرسہ قائم کرنے کا الہام ہوا جمعہ کی شب میں خواب دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ اور حاجی صاحب قدس سرہ کو حکم فرما رہے ہیں کہ یہاں ایک عربی مدرسہ دین واسلام کی بقا اور ترویج کے لئے قائم کیا جائے۔ صبح کو حاجی صاحب نے دیوبند کے سربراہان و حضرات کو مسجد چھتہ میں بلایا مولانا مہتاب علی، مولانا ذوالفقار علی، مولانا فضل الرحمن، مولانا افضل حق مولانا تہیر احمد اور دوسرے حضرات شریک ہوئے۔ حضرت حاجی محمد عابد صاحب قبلہ نے ان حضرات کے سامنے اپنے رات کے خواب کو بیان کیا اور ایک عربی مدرسہ کے قیام کی رائے پیش فرمائی اور فرمایا کہ جب پرانے عالم نہ رہیں گے تو کوئی مسئلہ بتانے والا بھی نہ ملے گا ان حضرات نے مکمل طور پر تعاون کا یقین دلایا اللہ امداد کا وعدہ فرمایا۔ اسی مجلس میں حاجی صاحب قدس سرہ نے اپنا سفید رومال چندہ کے لئے بچھا دیا اور ساتھ ہی اپنی جیب سے تین روپے اس رومال پر رکھے اور ہمیشہ دینے کا وعدہ فرمایا ان حضرات نے بھی اپنا نام لکھوایا اور مجلس ختم ہو گئی یہ واقعہ ۲۲ ذی قعدہ ۱۲۸۶ھ بروز جمعہ کا ہے صبح ہوئی اشراق کی نماز کے بعد گلے میں جھولی ڈالی اور اپنے تین روپے اس میں ڈالے اور گھر جا کر چندہ کا عمل شروع کر دیا اور شام تک چار سو ایک روپے اور آٹھ آنے جمع ہو گئے اور پھر ڈیڑھ ماہ کی مدت میں اتنے روپے جمع ہو گئے کہ ۱۵ محرم ۱۲۸۷ھ کو دارالعلوم کا قیام عمل میں آگیا۔ مدرسہ کی ابتدا اس کے وقت طلبہ کی تعداد اکیس تھی اور سال کے آخر یہ تعداد اٹھہتر ہو گئی جن میں اٹھاون طلبہ ہندوستان سے باہر کے تھے اور ان میں باون طلبہ کو اہل دیوبند کی طرف سے کھانا

ملتا تھا۔ ۱۷

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کو چھپانے کے لئے کتنی تدبیریں کیوں نہ کی جائیں مگر اسے پابند سلاسل نہیں کیا جاسکتا حق ہمیشہ روشن ہی رہتا ہے۔

حضرت حاجی محمد عابد صاحب کو ایسے پُر آشوب دور میں اسلامی مدد قائم کرنے کا اہام ہوا تھا۔ جب قن کے گورنر نے من کے کالے انگریز ہندوستان کے تخت حکومت پر پوری طرح قابض ہو چکے تھے۔ ملک کے قابل اعتماد علماء کو تختہ دار کی زینت بنایا جا چکا تھا اور جرباتی تھے انہیں صفو ہستی سے مٹانے کی سازشیں رچی جا رہی تھیں۔ دہلی جہاں سلطان محمد تغلق کے عہد میں ایک ہزار اور صوبہ بنگال جہاں عہد عالمگیری میں آٹھ ہزار مدرسے دین حق کی اشاعت میں سرگرم عمل تھے، انہیں صفو ہستی سے مٹا دیا گیا۔ ہندوستان میں انگریزوں کی دراندازی سے سب سے بڑا نقصان مدارس کو ہوا۔ ہندوستان کے وہ مراکز جہاں سے دین کی اشاعت ہوتی تھی اور مسلمانوں کو جینے کا شعور سکھایا جاتا تھا دھیرے دھیرے ختم کیا جانے لگا اور حکومت کے جانکاہ رویے سے مسلمانوں میں عسکی تنزل کے احساسات فروغ پانے لگے۔ معاشی زندگی مسلمانوں کی اور ہو ہی چکی تھی ہندوستان کے بڑے رؤسا اور جاگیردار بھی رفتہ رفتہ اپنی جائیداد سے ہاتھ دھو رہے تھے۔ ہندوستان کی دولت درپردہ برطانیہ جا رہی تھی ملک کو معاشی اعتبار سے کھوکھلا تو کیا ہی جا رہا تھا مذہبی قدغن سے انسانوں بطور خاص مسلمانوں کے ذہن و دماغ بھی مفلوج کئے جا رہے تھے ایسے ماحول میں کسی دینی مدد سے کا قیام اور اس کا فروغ بغیر تائید الہی کے ممکن نہ تھا۔

اس لئے اہم کام کی تکمیل کے لئے من جانب اللہ یہ ذمہ داری سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے حاجی صاحب کو سپرد ہوئی اور ایک دینی مدرسہ کے قیام کا الہام ہوا۔ انھوں نے اس ذمہ داری کو بطور احسن انجام دیا اور اپنی شبانہ روزگی مساعی اور اپنے احباب و مخلصین کے تعاون سے دیوبند کی نہ زمین پر تحفظ دین اور ناموس رسالت کی پاسپانی اور نگہداشت کے لئے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ڈالی اور اس ادارہ کو فروغ دینے کے لئے باتفاق رائے حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ہی اس ادارہ کا مہتمم منتخب کیا گیا حاجی صاحب نے جس مخلصانہ جذبہ کے ساتھ اس ادارہ کا اہتمام و انصرام فرمایا اس کی نظیر مشکل سے ہی ملتی ہے۔

انگریزوں نے مسلمانوں کو تعلیم سے بے بہرہ رکھنے کے لئے کیا کچھ نہیں کیا جہاں ہزاروں مدارس تھے وہاں نام کا بھی کوئی مدرسہ نہیں رہ گیا اور انھوں نے جس نظام تعلیم کو جاری کیا اس میں مذہبی تعلیم کی سرے سے کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔ یہ واقعہ ہے لیکن اس کے برخلاف جب ہم دیکھتے ہیں تو بیسویں صدی کے نصف اول میں انہی تین گوروں اور من کے کانوں نے مسلمانوں کے لئے تعلیم کا بندوبست کیا پرائمری اسکول قائم کئے و سرطانی اور اعلیٰ تعلیم تک مدارس کو بڑھانے کے لئے منصوبہ بنایا گیا ایک ہیں بلکہ پانچ پانچ ڈپٹی انسپکٹر آف محمدن اسکولس مقرر کئے گئے ان تعلیمی اداروں میں مذہب اسلام کی خدمت کس قدر ہوتی تھی بحث اس سے نہیں ہے دفعۃً ان کے ذہن و دماغ میں اس طرح کا بدلاؤ کس طرح آگیا۔ اس کے پس منظر میں کیا عوامل و محرکات ہیں جب اس پہلو پر سنجیدگی سے غور کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اس کے پس پردہ ۱۹۱۲ء میں کانپور کی سرزمین پر ہونے والا فساد ہے جس میں تین سو مسلمان شہید ہوئے تھے مسلمانوں کا غم غلط کرنے اور ان

کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے کے لئے خوں بہا کے طور پر مسلمانوں کے لئے تعلیمی مراکز کے قیام کا فیصلہ کیا گیا اس اجمال کی قدرے تفصیل اس طرح ہے

۱۹۱۳ء میں جب کانپور میں مچھلی بازار والی مسجد کا بازو گرایا گیا اور مسلمان اجتماع کرنے کے لئے جمع ہوئے تو پولس کی گولیوں سے تقریباً تین مسلمان شہید ہوئے ہندوستان میں تو اس حادثہ فاجعہ پر کچھ زیادہ چہ میگوئی نہیں ہوئی لیکن برطانیہ میں اس واقعہ کو زیادہ مشہور کیا گیا اور ایوان حکومت کے اندر باہر ہندوستانی حکومت پر کڑے لفظوں میں نکتہ چینی کی گئی یہاں تک کہ اس وقت یوپی کے گورنر بھی بہت زیادہ پریشان ہو گئے اس زمانے میں مسلمانوں کی کوئی سیاسی جماعت نہیں تھی مسلم لیگ ضرور وجود میں آچکی تھی لیکن وہ امر اور تعلق داروں کی جماعت تھی جسے مسلمانوں کے دکھ درد سے زیادہ دلچسپی نہ رہ گئی تھی لے دے کے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس تھی جو اصولاً تو تعلیمی مسائل سے دلچسپی رکھتی تھی مگر اس کے سالانہ اجتماعات میں شرکائے کانفرنس مسلمانوں کے سیاسی و معاشی مسائل پر بھی تبادلہ خیالات کیا کرتے تھے اس کا صدر ایم، او کالج کے مجلس زستیاں کا سکریٹری ہوا کرتا تھا اس زمانے میں اس ذمہ داری کے فرائض نواب وقار الملک انجام دے رہے تھے چنانچہ کہا جاتا ہے جب وہ گورنر سے ملاقات کے لئے پہنچے تو اس نے اظہار افسوس کے ساتھ کہا کہ نواب صاحب برطانیہ کی گورنمنٹ کو بہت زیادہ افسوس ہے کہ کانپور کے اندر تین سو مسلمان مارے گئے۔ نواب صاحب نے انتہائی غصہ پہلے میں کہا

”اے حضور رہنے دیجئے مسلمانوں ہی کا تو خون تھا بہہ گیا سو بہہ گیا کوئی کتے بلیوں کا خون تو تھا نہیں جس کا صدمہ کیا جائے“

اس خطر سے گورنر بالکل کٹ گیا اور پھر اسے مزید ہمت ہی نہ پڑی کہ اس حادثہ فاجعہ کے بارے میں کچھ معذرت کرے کہا جاتا ہے کہ گفتگو کا رخ موڑنے کے لئے اس نے کہا کہ نواب صاحب آپ کو شکایت تھی کہ برادران وطن کی ریشہ و دایوں کی وجہ سے مسلمانوں کو تعلیم کے معاملے میں ترقی کا موقع نہیں دیا جاتا میری حکومت نے بھی اس بات پر غور کیا ہے اور ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ آپ کی یہ شکایت بجا ہے لہذا اس درست ہم تجربہ کے طور پر اپنی اسیکم کے دائرہ عمل کو پرائمری ایجوکیشن تک محدود رکھتے ہیں کامیابی کے بعد وسطانی اور اعلیٰ تعلیم تک بھی بڑھا دیں گے۔ اس طرح مسلمانوں کی ابتدائی تعلیم کے لئے ایک مخصوص افسر اور اس کا عہدہ قائم کیا جائے گا اور اس طرح تین سو شہیدوں کے خوں بہا کے طور پر انسپکٹر آف اسکولس کی جگہ قائم ہوئی اور ان کی مدد کے لئے پانچ ڈپٹی انسپکٹر آف محمدن اسکولس مقرر کئے گئے انسپکٹر کی جگہ پہلا تقرر نواب وقار الملک کے پرائیویٹ سکریٹری مولوی ابوالحسن غازی پوری کا ہوا پھر وہ جھانسی ڈویژن کے انسپکٹر آف اسکولس ہو گئے اور اپنے ہمراہ انسپکٹر آف محمدن اسکولس کا دفتر بھی لے گئے ان کے سیکرٹری ہونے کے بعد مولانا آل علی نقوی کا تقرر ہوا اس عہدہ کے آخری عہدیدار ظفر الدین صاحب تھے جو ۱۹۵۲ء میں اسے ختم کر کے مراد آباد کے ڈپٹی انسپکٹر آف اسکولس بنا دیئے گئے۔ اس عہدے کے قائم کرنے کے ساتھ ساتھ عربی مدارس کی اصلاح کے نام سے ایک کمیٹی بنائی گئی ورنہ اس سے پہلے مدارس کا کوئی نظم نہ تھا ۱۹۵۲ء میں آلہ آباد یونیورسٹی سے کسی مولوی صاحب نے ملا اور فاضل کے امتحانات کا نظم جاری کیا تھا جو ۱۹۵۲ء تک چلتا رہا بہر حال اس کمیٹی نے سرکاری سرپرستی میں مدارس عربیہ کی تنظیم اور نگہداشت کے لئے ایک اسمی تجویز کی یعنی انسپکٹر آف مدارس عربیہ جس کے لئے کمیٹی کی

نظر میں موزوں ترین شخص ڈاکٹر عبد الستار صدیقی قرار دیئے گئے مگر پریشانی یہ تھی کہ وہ جرمنی میں تھے جہاں لڑائی کے دوران نظر بند تھے۔ گورنر کے ایک حاضر باش جانشین اور مشیر کار دوست منشی احترام علی کا کوردی تھے جو مولانا ضیاء الرحمن علوی مرحوم کے ماموں اور خسر بھی ہونے لگے تھے اور انہوں نے گورنر سے کوشش کر کے اس جگہ پر اپنے بھانجے کا تقرر کرایا۔

مولانا ضیاء الرحمن علوی ندوہ کے فارغ التحصیل اور علی گڑھ کے ایم اے بھی تھے انہوں نے بڑے تندہی سے اس عہدہ کو سنبھالا اور ۱۹۲۱ء میں مزید نظم و ضبط پیدا کرنے کے لئے عربی و فارسی امتحانات کا سلسلہ شروع کیا اس نظام میں دو امتحانات فارسی میں منشی اور کامل اور تین عربی میں مولوی عالم اور فاضل مقرر ہوئے فاضل کے امتحان میں تین شعبے تھے ادب و نبات اور طب۔

کچھ دنوں بعد مولانا ضیاء الرحمن علوی کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا جس کے صدمہ نے انہیں بالکل مضطرب کر دیا اور پورا دفتری نظام ان کے ہیڈ کلرک منشی کبیر الدین کے ہاتھوں میں آ گیا منشی کبیر الدین گھر کے زمیندار تھے اور ان کو نیشنلسٹ قسم کے مسلمانوں بالخصوص جمعیتہ العلماء کے لوگوں سے بڑی شدید کدورت تھی لہذا اگر کوئی ان سے دفتر میں ملنے جاتا تو اس کے ساتھ انتہائی سختی اور درشتی سے پیش آتے اور کبھی کبھی تو ان کا لہجہ انتہائی حقارت آمیز ہو جاتا مگر اہل معاملہ مجبور تھے ۱۹۳۶ء میں صوبہ میں قومی حکومت قائم ہوئی تو نیشنلسٹ طبقہ والوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ مولوی ضیاء الرحمن اور منشی کبیر الدین سے اگلا پچھلا حساب صاف کرنا ہے چنانچہ سب سے پہلے تو ضیاء الرحمن پر الزام لگایا گیا کہ امتحانات میں بڑی دھاندلی ہوئی ہے اور حکومت کو مجبور کیا گیا کہ اس کے لئے باقاعدہ تحقیقات کرائی جائے۔ چنانچہ ایک کمیٹی بنی اور وہ بھی ایسی جو ضیاء الرحمن صاحب کیلئے دل میں نرم گوشہ

رہنمی تھی اور اس کمیٹی نے انہیں ان تمام الزامات سے بری کر دیا ورنہ
منا فیضیہ کو بابتگاہیں اعلان کرتے تھے کہ منشی کبیر الدین کو برخودست
کرادیں۔ اسے ارضیا، احسن کو بھی جیٹی پر جانا پڑے گا۔

جب حریر برہنہ اس محاذ پر ناکامی ہوئی تو انھوں نے ایک دوسری
چال اختیار کی کہ امتحانات کے لئے یہ نصاب ۱۹۲۷ء میں مرتب ہوا تھا اور
یہ کہ ملک میں قومی حکومت قائم ہو رہی ہے حالات بدل چکے ہیں نیز دوسرے
ملک میں تعلیم کا انداز بدل گیا ہے یہ بات خاص طور سے منشی کبیر الدین کے
حریف محمد میاں اللہ آبادی کہتے تھے جو مصر سے تعلیم حاصل کر کے آئے تھے۔
لہذا مولانا ابوالکلام آزاد کے زیر صدارت قومی گورنمنٹ نے ایک کمیٹی
قائم کی جس کے ذمہ امداد پانے والے مدارس کے نصاب کی تنظیم جدید تھی
مگر غالباً اس کمیٹی کے ممبرین کی نیت خیر پر نہیں تھی مقصد صرف ضیاء احسن
اور منشی کبیر الدین کو نقصان پہنچانا تھا لہذا یہ کوئی مفید کام انجام نہ دے
سکی ہوا یہ کہ جب برادران کو (جو راز درون پردہ سے واقف تھے) یہ معلوم ہوا
تو انھوں نے بھی حکومت پر زور دیا کہ سنسکرت پاٹھ شالاؤں کی اصلاح
کے لئے بھی ایک کمیٹی بنائی جائے۔ اس کے لئے بھی ایک کمیٹی بنی جو کچھ
اس کمیٹی کے ممبران کی نیت خیر پر تھی اس لئے اس نے بڑی تندہی سے
کچھ کام کر کے تخری رپورٹ گورنمنٹ کو پیش کر دی مگر اسی دن حکومت
منفی ہو گئی اور سنسکرت پاٹھ شالاؤں والی رپورٹ عمل میں نہ آ سکی اور
مولانا ابوالکلام آزاد کی زیر سرپرستی جو عربی کمیٹی بنی تھی اس کا انجام ہے
کچھ سجدہ شکرستہ خستہ تسبیح شیخ۔ بنگلہ میں برہنہ کی پختہ زاری بھی دیکھ
پڑے تھی ہوا۔ ممبران کی نیت غالباً ضیاء احسن اور منشی کبیر الدین کے ذیل
فرمان پر موزوں ہی چنانچہ جیسا کہ عام و مقدر ہے کہ برہنہ کی کاسکریٹری متعلقہ
حکومت یا شعبہ کا سربراہ ہوتا ہے مگر یہاں ایسا نہیں ہوا اس کمیٹی نے

ضیاء الحسن صاحب کو سکرٹری نو درکنار معمولی ممبر بھی نہیں بنایا ان کے مقلبتے میں ایک معمولی ٹیچر کو سکرٹری بنادیا گیا مگر قدرت کو دونوں کی عزت رکھنی مقصود تھی اس لئے اس دوران کمیٹی اپنا اجلاس ذکر سکی اور اس کی وجہ حکومت کی برخاستگی تھی اس مدت میں منشی کبیر الدین اپنی مدت ملازمت پوری کرنے کے بعد باقاعدہ پنشن لے کر ریٹائر ہو گئے اور مولانا ضیاء الحسن طبعی موت سے اللہ کو پیارے ہو گئے اس لئے اس کمیٹی کے محررین نے جو ان کے خلاف سازش کی تھی وہ وَلَا مِیْحِیْتُ الْمُلُکُ السَّیِّئِ إِلَّا بِمَا هَلَبِهِ ۝ (اور بادشاہوں اپنے چلنے والے پر ہی چلتا ہے) کی آیت کا مصداق ثابت ہوئی۔ مولانا ضیاء الحسن کے بعد اس عہدہ کی سربراہی انسپکٹر آف محمدن اسکولس کو عارضی طور پر تفویض ہوئی اور ان سے مولانا شبیر احمد خاں غوری نے ۲۳ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو چارج لیا۔ انھوں نے بیس ایکس سال اس عہدے پر رہ کر عربی مدارس کی اصلاح کی اور مدارس کو ایک عمدہ نصاب تعلیم دیکر ۳۰ اگست ۱۹۴۶ء کو اس منصب سے عہدہ برآ ہوئے اسکے بعد ابو ذرمانی صاحب کا انتخاب عمل میں آیا۔ اور پھر ترقی دے کر ہراہل اور نااہل کو اس عہدہ سے سرفراز کیا جاتا رہا اس بورڈ کی آج کیا حالت ہے دینی مدارس سے تعلق رکھنے والوں پر منفی نہیں۔ جو نصاب مولانا شبیر احمد خاں غوری نے پچاس سال قبل جاری کیا تھا مدارس کے ارباب حل و عقد، اساتذہ اور طلبہ اسی کو صراط مستقیم سمجھ کر بڑی تندہی کے ساتھ اسی پر رواں دواں ہیں۔

بہر حال دارالعلوم دیوبند کے مہتمم جب تک حاجی محمد عابد حسین صاحب رہے انگریز کی سازشوں سے وہ مدرسہ بالکل پاک و صاف رہا ان کا ہر عمل اخلاص پر مبنی تھا ان کی یہ جدوجہد عزت و ناموری کے لئے نہیں بلکہ دین پاک مصطفیٰ علیہ التہیۃ والثناء کی اشاعت کے لئے تھی جب تک

قال اللہ وقال الرسول کے لغو سے ادارہ کو بختارہا حاجی صاحب کا ہر ہر لمحہ ادارہ کے لئے وقف رہا لیکن جب اس مدرسہ میں دین کی تعلیم انگریز حکومت کے منشاء کے مطابق ہونے لگی ادارہ مقصد اصلی سے رفتہ رفتہ دور ہونے لگا تو حاجی صاحب نے استعفیٰ دیدیا اور ہمیشہ کے لئے اس ادارہ سے کنارہ کش ہو گئے۔ حاجی صاحب کے سبکدوش ہونے کے بعد ادارہ میں کیا نمایاں تبدیلی آئی اور اس نے کس طرح دینی خدمت انجام دی اس کا ذکر تو بعد میں کیا جائے گا پہلے حاجی محمد عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی پر ایک طائرانہ نظر ڈال لی جائے تاکہ بلا جھجک یہ باور کیا جاسکے کہ اس مرد درویش نے دارالعلوم دیوبند کی شکل میں علم و فن کی جو شمع روشن کی تھی اس کی لو کو تیز تر رکھنے کے لئے اپنا خون جگر استعمال کیا تھا۔ یہ اسی خلوص دل اور جذبہ صادق کا نتیجہ ہے کہ ادارہ اب بھی شاہراہ ترقی پر رواں دواں ہے۔



بَاقِی دَارُ الْعُلُومِ دِیُوْبند

کے حالاتِ زندگی پر

ایک طائرانہ نظر

بانی دارالعلوم دیوبند کے حالات زندگی پر ایک طائرانہ نظر

جن بزرگانِ دین نے خلقِ خدا کی تربیت کا اہتمام غلامِ ہری و باطنی دونوں صورتوں میں کیا ان میں حاجی سید عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی اہم گرامی سرِ فہرست ہے۔ اگر حاجی صاحب نے چھتہ کی مسجد میں بیٹھ کر بیعت و ارشاد کے ذریعہ خلقِ خدا کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا تو دوسری طرف دیوبند کی سرزمین پر ایک عظیم ادارہ کی بنیاد ڈال کر ملتِ اسلامیہ کے نو بہانوں کو علمِ دین مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء سے آراستہ ہونے کے لئے اسباب مہیا کئے۔

حاجی صاحب کی ولادت باسعادت دیوبند کے مردم خیر قصبہ میں ۱۲۵۵ھ میں ہوئی۔ کم عمری ہی میں حفظِ قرآن حکیم کی تکمیل فرمائی۔ فارسی کی ابتدائی تعلیم کے لئے مہتانی مکتب میں داخلہ لے لیا۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے دہلی کا سفر کیا وہاں زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ والد ماجد دنیا سے رخصت ہو گئے اس خبر جاننا کہ نے حاجی صاحب کے ذہن و دماغ کو ماؤف کر دیا۔ سلسلہ تعلیم منقطع کر کے دیوبند واپس آ گئے اور یہیں ذکر و اذکار میں مشغول ہو گئے۔ حصولِ معاش کے لئے عطورات کی دوکان کر لی روز و شب کا بیشتر حصہ کلامِ الہی کی تلاوت میں صرف ہوتا۔ جب مولانا ولایت علی سہارنپوری دیوبند تشریف لائے تو حاجی صاحب نے انھیں کے ہاتھ پر بیعت کر لی اس وقت اذکار و اشغال میں تو اضافہ ہوا ہی ساتھ ہی تہجد کی نماز کے پابند بھی ہو گئے۔ اور یہ پابندی زندگی کی آخری سانس تک برقرار رہی۔ نماز بچکانہ کا اہتمام تو اس درجہ تھا کہ بس! اٹھائیس سال کے عرصہ میں ایک مرتبہ صبح کی تکبیر تحریم فوت ہو گئی تو آپ کو اتنا شدید صدمہ ہوا جتنا کہ کسی آدمی کو اپنے جوان بیٹے کی

موت پر ہوتا ہے۔ اس غم میں کئی دن بھوکوں پیاسوں رہے جب صاحبزادی نے کھانا نہ کھانے کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا۔

۲۸ سال کے بعد آج صبح کی تکبیر تحریر فوت ہو گئی ہے۔ ۱۷

حاجی صاحب حضرت مولانا دلابت علی سہارنپوری سے روحانی طور پر وابستہ ہو ہی گئے اس وابستگی کے باوجود جب حضرت میاں جی کریم بخش رام پوری جب رام پور ضلع سہارنپور سے دیوبند آئے تو حاجی عابد حسین صاحب نے ان سے بھی بیعت کا شرف حاصل کر لیا آپ کو دامن ارادت سے وابستہ کرنے سے قبل حضرت میاں جی کریم بخش نے آپ کے تعلق سے ایک خواب دیکھا تھا اس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت میاں جی نے فرمایا :

آسمان پر ایک بہت بڑا ستارہ ہے اور اس کے گرد وہیں

بھی بہت سے ستارے ہیں اور بڑا ستارہ میری گود میں آگیا ہے

جب صبح ہوئی تو حضرت میاں جی صاحب نے اس خواب کی تعبیر

یہ فرمائی کہ مجھ سے کوئی سید بیعت ہو گا جس سے لوگوں کو بہت

فیض پہنچے گا اور دین کے کام اس سے بہت ہوں گے۔ دنیوی

ہنگاموں سے بچے گا خاندان کو روشن کرنے والا ہو گا۔ ۱۸

میاں جی کریم بخش رام پوری نے آپ کو اپنے دامن ارادت سے وابستہ

تو کیا ہی تھا مگر دورانِ بیعت انہوں نے آپ پر کچھ ایسی مخصوص توجہ فرمائی

جس کے سبب آپ اپنے پیرومرشد کے لطف و کرم کے گردیدہ ہو گئے

اور انہیں کی خدمت میں رہنے لگے۔ شیخ کی صحبت نے آپ کو سلوک اور

بجاہدہ و ریاضت کے تمام تر مراحل سے گزار کر روحانیت کے اس بلند

مقام پر پہنچا دیا جہاں تک کم ہی لوگوں کی رسائی ہو پاتی ہے عملیات و وظائف میں درود شریف کی کثرت تھی اور اس کثرت کے سبب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری بھی ہونے لگی تھی اس حضوری سے حاجی صاحب کی حالت ناگفتہ بہ ہو جاتی جب اس کی اطلاع آپ کے مرشد میاں کریم بخش کو ہوئی تو کبھی کبھار وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ سے فرماتے کہ آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کر دینا۔

مرشد کا دامن ارادت تھامنے کے بعد آپ کی زندگی میں نمایاں تبدیلی یہ آئی کہ ایک تو آپ نے شادی کر لی اور دوسرے عطر کی دوکان چھوڑ کر لوگوں کو پانی پلانے کا کام انجام دینے لگے۔ پانی پلانے کا کام بطور پیشہ انجام دینا ایک مہذب سماج کے افراد کے لئے میسوب سمجھا جاتا ہے اسی وجہ سے حاجی صاحب نے یہ کام چھوڑ دیا اور روزِ دشب ریاضت و مجاہدہ اور اطاعت و عبادت میں مصروف ہو گئے۔ حضرت حاجی صاحب نے اپنی اہلیہ محترمہ کو بھی حضرت میاں کریم بخش سے بیعت ہونے کی تلقین فرمائی چنانچہ اہلیہ محترمہ بھی حضرت میاں جی صاحب کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئیں اور سلوک کے وہ مراحل طے کر لیں کہ جب درود شریف پڑھتیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو جائیں اب جب کوئی میاں جی صاحب سے بیعت ہونے کے لئے آتا تو اس کو حاجی صاحب سے بیعت کراتے حاجی صاحب بیعت کرنے سے بہت کتراتے تھے اور جب کوئی مرید ہونے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو چھپ جایا کرتے تھے چنانچہ ایک بار کا واقعہ ہے؛ حضرت میاں جی کریم بخش جب پہلے روز ایک شخص کو بیعت کرانے کی

غرض سے مسجد چھتہ میں تشریف لائے تو ان کے ساتھ اور بھی بہت سارے مرید بھی آئے جس کمرہ میں حاجی صاحب رہتے تھے وہ کمرہ خالی پایا حاجی صاحب اس میں نہ تھے لوگوں کو تعجب ہوا کہ ابھی تھے اور ابھی کہاں چلے گئے حضرت میاں جی صاحب نے مریدوں سے فرمایا کہ دیکھو حاجی صاحب یہیں کسی جگہ ہوں گے مریدوں نے بہت تلاش کیا مگر حاجی صاحب کہیں نہ ملے تو حضرت میاں جی سے عرض کیا وہ تو کہیں نہیں ملے آپ نے فرمایا مسجد میں تلاش کرو وہیں ہوں گے اس کے بعد آپ کے مرید گئے تو دیکھا کہ حضرت حاجی صاحب مسجد کی صفوں میں چھپے بیٹھے ہیں اور زار و قطار رو رہے ہیں اسی حالت میں ان کو حضرت میاں جی صاحب کے پاس لایا گیا اس وقت وہ بھی زار و قطار رو رہے تھے حضرت میاں جی صاحب نے فرمایا ان کو میرے سامنے بیعت کر لو۔ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا یہ بوجھ مجھ سے نہ اٹھے گا میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ حضرت میاں جی صاحب نے فرمایا خدا تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے گا۔ مجھے بھی حکم ہوا ہے چنانچہ شیخ کے ارشاد اور حکم پر حضرت حاجی صاحب نے روتے روتے نمناک آنکھوں کے ساتھ ان کو مرید کیب حضرت میاں جی صاحب نے فرمایا ایک وقت ایسا آئے گا کہ خدا کی مخلوق تمہاری طرف اس قدر رجوع ہوگی کہ تمہیں فرصت بھی نہ ملے گی۔

حضرت حاجی صاحب قبلہ کی اہلیہ محترمہ درود پاک کی کثرت سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت مبارکہ سے مشرف تو ہوتی ہی تھیں خود حاجی صاحب قبلہ نے بھی کئی ایک بار سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک دیدار خواب میں فرمایا اور سرکار نے آپ کے دہن مبارک میں لعاب دہن ڈالا جسے حاجی صاحب نے رعبت سے تناول فرمایا۔ سرکار کی زیارت اور لعاب دہن تناول فرمانے کے واقعہ کا ذکر حضرت امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمۃ نے اپنے اس مکتوب میں کیا ہے جو انہوں نے حاجی صاحب کی خدمت میں

ان کے خط کے جواب میں مکہ معظمہ سے دیوبند ارسال کیا تھا۔ وہ خط فارسی زبان میں ہے جس کا ترجمہ پروفیسر تھارا احمد فاروقی نے کیا ہے وہ ترجمہ ذیل میں نقل کیا جا رہا ہے۔

فقیر امداد اللہ غفری عزم سے بخدمت بابرکت عزیز حاجی سید عالمین صاحب زادانہ عرفانہ۔ بعد سلام مسنون و اشتیاق ملاقات کے وضح رائے عزیز ہو کہ نامہ عقیدت و محبت اسلوب ہزاراں ہزار شوق کے ساتھ موصول ہوا اس جانب کی محبت کو جس نے دوبالا کر دیا اس کی مندرجہ کیفیت سے آگاہی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آں عزیز کو اس عقیدت و محبت کے ساتھ سلامت رکھے اور روز بروز زیادہ کرے اور اسی پر قائم رکھے اور ہمارا نہارا خاتمہ اسی پر کرے آمین۔ اور آں عزیز کے احوال کی ترقی سے معلوم ہونے سے شکر بجالایا گیا اور زیارت آنحضرت کی خواب میں مبارک ہو اور آنحضرت کے لعاب و ہن سے مراد علم و معرفت ہے جس قدر کہ آں عزیز نے اس کو رغبت سے کھایا ہے اسی قدر نعمت عرفانی حاصل ہوگی اور جو کچھ کراہیت کر کے ڈال دیا ہے وہی نقصان خیال ہے دوسرے وہ کہ لعاب دین آنحضرت کے علوم دین و علمائے حقانی کہ ورثائے انبیاء ہیں مراد ہیں۔ چاہیے کہ ان سے محبت قلبی رکھیں بہ سبب علوم دین کے اگرچہ ان سے بقا صنائے بشریت بعض نامناسب امور صادر ہو جائیں اس کو حکمت کے حوالے کریں اور اپنے کو تصور وار جان کر تواضع قلبی سے پیش آئیں۔ اور امور دین میں ان کی تابعداری کو اپنے اوپر لازم سمجھیں اور کراہت سے انکار نہ کریں اور منادی کرنے سے مراد مریدوں اور آپس کے عقیدت مندوں کی ہدایت ہے کہ ان کو تعلیم کرتے رہیں اور

اشغال باطنی سے اپنے کو معطل نہ چھوڑیں۔ اے حاجی سید محمد عابد حسین کو اپنے شیخ سے والہانہ لگاؤ تھا جس کا اظہار اکثر و بیشتر آپ کی گفتگو کے دوران ہوتا تھا اور جب کوئی آپ کے سامنے آپ کے پیرومرشد کا ذکر چھیڑتا تو فوراً مسرت سے جھوم جابا کرتے تھے جس وقت آپ کے شیخ میاں کریم بخش کا وصال ہوا اور اس کی خبر آپ کو ہوئی تو جھوم غم سے آپ کا کلیجہ پھٹ گیا اور شدت غم سے ایسی بے کیفی طاری ہوئی کہ گھر کا سارا سامان غریبار و مساکین میں تقسیم کر دیا اور حسرت و یاس میں ڈوب کر اظہار تاسف کے لئے ایک کبیل اڑھ لیا اور ایک لنگی پہن لی اور بھر کافی دنوں تک اور بقول بعض زندگی بھر اسی لباس میں ملبوس رہے جب کچھ غم دور ہوا تو مسجد چھتہ کے حجرے سے باہر نکلے وہلی کا سفر کیا۔ کرناں اور پانی پت بھی گئے اور حضرت میاں راج شاہ جو ہریانہ میں سلسلہ قادریہ کے اہم مشائخ میں سے تھے ان کی خدمت میں بھی حاضری دی اور اکتساب فیض کیا میاں راج شاہ کی خدمت میں حاضری دینے سے انتہائی قلبی سکون میسر ہوا اور شیخ و مرشد کے سانحہ ارتحال سے جو غم لاحق ہوا تھا وہ دور ہوا اسی وقت میاں راج شاہ نے آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ کی دولت خلافت سے سرفراز فرمایا۔

اس سفر سے واپسی کے بعد جب دیوبند لوٹ کر تشریف لائے تو حاجی صاحب کی مقبولیت میں کمی گنا اضافہ ہوا خلق خدا فیض و برکت حاصل کرنے کے لئے آپ پر ٹوٹ پڑی اپنی جائز تقائے کر آپ کی خدمت میں جو بھی حاضر ہوتا اس کی تمنا ضرور پوری ہوتی مولوی نذیر احمد دیوبندی مصنف تذکرۃ العابدین لکھتے ہیں۔

تمام مخلوق خدا آپ کی طرف متوجہ ہو گئی اور آپ سے کرامتیں
پے درپے ظہور میں آنے لگیں۔ آپ نے جس کی نسبت جو کچھ بھی
فرمایا ہو گیا۔

حاجی صاحب کو زیارتِ حرمین شریفین کا بھی شرف حاصل رہا ہے۔
جس وقت آپ نے پہلا راج پیدل چل کر ادا کیا اس وقت آپ کی عمر بہت ہی
کم تھی دوبارہ سفرِ حج کے دوران جب آپ بھی تشریف لے گئے تو وہاں آپ
کی ملاقات حضرت شاہ محمد قادری مددِ اسی سے ہو گئی حضرت شاہ صاحب
بمذہبِ صفت بزرگ تھے انھوں نے حاجی صاحب پر توجہ ڈال کر جو کچھ
اپنے پاس تھا حضرت حاجی صاحب کو عطا فرمادیا ساتھ ہی خلافت کی
انہول دولت سے بھی آپ کو نوازا۔ جب حاجی صاحب سفرِ حج سے واپس
وطن تشریف لائے تو یہ تمام واقعہ حضرت میاں جی صاحب سے بیان فرمایا
تو وہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا میری محنت و محول ہو گئی اس ابدال نے
بھی میری تصدیق کر دی اور فرمایا امانت امین ہی کے پاس رکھی جاتی ہے۔
۱۸۷۱ء میں جب آپ تیسری بار حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے
گئے تو اس وقت آپ کی اہلیہ محترمہ بھی آپ کے ہمراہ تھیں حج سے فارغ ہو
کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے کئی ماہ مدینہ طیبہ میں قیام کیا جب واپسی کا ارادہ
ہوا تو آپ کی اہلیہ محترمہ کی وفات ہو گئی۔ کچھ روز کے بعد جب مکہ معظمہ
تشریف لائے تو وہاں سید الطائفہ حضرت شاہ امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمۃ
سے بیعت کی حضرت حاجی صاحب نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے
اس خیال کا اظہار فرمایا کہ میں مکہ معظمہ میں مزید کچھ روز قیام کرنا چاہتا ہوں تو
حضرت نے فرمایا کہ ہندوستان کو خالی مت چھوڑو مسجد اور مدرسہ تمہارا سے

بغیر تعمیر نہ ہوگا اس کو مکمل کرو اور دوسری شادی بھی کر لینا۔

حاجی صاحب خوش عقیدہ مسلمان تھے انبیاء و مرسلین اور صحابہ و تابعین کی الفت و محبت سے آپ کا سینہ بے کینہ تو سرشار تھا ہی بزرگان دین کی عقیدت آپ کے رگ و پے میں سمائی ہوئی تھی ختم خواجگاں بھی فرماتے اور زبرکشیر خرچ کر کے میلاد شریف کا بھی اہتمام شایان شان فرمایا کرتے تھے۔ اور یہ آپ کے ہر مہضہ کا معمول تھا۔ گویا آپ سلف صالحین کی روش پر پوری طرح گامزن تھے۔ حاجت مندوں اور پریشان حال لوگوں کی فریادیں آپ کا محبوب شیوہ تھا۔ اس کے بعد نماز ظہر آپ اپنا دروازہ کھول دیتے تھے۔ ادنیٰ اور اعلیٰ افراد کی آپ کی بارگاہ میں کوئی تیز نہ تھی۔ سب سے آپ پیار و محبت اور خلوص و مودت سے پیش آتے۔ کسی کو دعائیں دیتے اور کسی کو تعویذ، جیسی جس کی حاجت اور ضرورت ہوتی اسی طرح آپ اس کی مدد فرماتے بعد نماز مغرب پھر آپ اپنے اوراق و وظائف میں مشغول ہو جاتے۔ آپ کے سوانح نگار رقم طراز ہیں۔

بعد نماز مغرب فرائض و ختم خواجگاں وغیرہ سے فراغ حاصل کر کے جو کوئی مرید یا مہمان ہوتا اس سے باتیں کرتے۔ ہر جمعہ کو بعد نماز مغرب مولود شریف کی محفل کا اہتمام کرتے اس میں بہت زبرکشیر صرف کرتے تھے اور تازہ سیت ہمیشہ کراتے رہے۔

حاجی صاحب کو عبادت و ریاضت سے حد درجہ شغف تھا اوقات صلوٰۃ کی پابندی تو اس درجہ تھی کہ نماز قضا ہونا تو درکنار مسلسل تیس سال تک جماعت کی تکبیر ادائیگی بھی آپ سے نہیں چھوٹی اور جب سے تہجد کا اہتمام کیا تو پورے ساٹھ سال تک اس پر سختی سے عمل پیرا رہے۔ سید محبوب بنوی

مصنف تاریخ دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں۔

حضرت حاجی صاحب کا ساٹھ برس تک چھتہ کی مسجد میں قیام رہا مشہور ہے کہ تیس سال تک آپ کی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی نماز تہجد کا ایسا التزام تھا کہ ساٹھ سال تک قضا کی نوبت نہیں آئی۔ صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ رشد و ہدایت اور تذکیر و تزکیہ قلوب کے علاوہ آپ کو فنِ علیات میں زبردست ملکہ تھا۔

آپ کی لکھی ہوئی تعویذیں کس قدر موثر ہوتی تھیں اور آپ کی بارگاہ میں حاضری دینے سے کس طرح پریشاں حال انسانوں کو پریشانیوں سے نجات ملتی تھی اس کا ذکر اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے جس کا ذکر صاحب ارواح ثلثہ نے کیا ہے وہ لکھتے ہیں

”میں نے دیوبند کے ایک انگریزی خواں سے سنا کہ ایک شخص کا مقدمہ ڈپٹی ظہیر عالم کے یہاں تھا یہ سہارنپور میں ڈپٹی تھے وہ شخص حاجی محمد عابد (حسین) صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کہ حاجی صاحب مجھے ایک تعویذ دے دو میرا مقدمہ ڈپٹی ظہیر عالم کے یہاں ہے حاجی صاحب نے اس کو تعویذ دے دیا کہ اس کو بگڑی میں رکھ لینا جب یہ عدالت میں اجلاس پر پہنچا ڈپٹی صاحب نے کچھ سوال کیا تو اس نے کہا کہ ٹھہر جائیں دیوبند والے حاجی صاحب کا تعویذ لایا ہوں وہ لے آؤں پھر پوچھنا ڈپٹی صاحب اس پر مبنی کیونکہ وہ علیات کے معتقد ہی نہ تھے۔ جب وہ تعویذ لے آئے تو ڈپٹی صاحب سے کہا کہ اب پوچھ کیا پوچھے ہے۔ اور دیکھ حاجی

صاحب کا یہ تعویذ رکھا ہے (گچھی دکھلا دی) ڈپٹی صاحب نے وہ
مقدمہ قصداً بگاڑا لیکن جب یہ فیصلہ لکھ کر پڑھنے بیٹھے ہیں تو وہ
موافق تھا۔ پھر وہ ڈپٹی صاحب حضرت حاجی صاحب کی خدمت
میں معذرت کو حاضر ہوئے ہمارے حضرت نے فرمایا کہ عمل کا یہ اثر
ہوتا ہے بعض اوقات جب معمول پر اس کا اثر رہتا ہے تو دماغ
صحیح نہیں رہتا جب دماغ فصیح نہیں رہتا تو کام بھی ایسے ہی
ہوتے ہیں۔

حاجی عابد حسین صاحب دیوبند کی ان مقتدر اور محترم ہستیوں میں سے
تھے جن پر اہل دیوبند کو ناز تھا آپ کی عظمت و بزرگی کے معترف تمام باشندگان
دیوبند تھے بلا تفریق مذہب و ملت ہر ایک کے دل میں آپ کی محبت یکساں
تھی۔ ہندو مسلم سبھی آپ کے فیوض و برکات کے طلبگار تھے۔ خلق خدا میں آپ
کی مقبولیت کا اندازہ انوار الحسن شیر کوٹی کے درج ذیل اقتباس سے لگایا جا
سکتا ہے۔

آپ کی بزرگی کا سکہ دیوبند کے ہر خورد و کلاں مرد و عورت بچے اور
بوڑھے کے دل پر تھا ان کے روحانی فیض نے دیوبند اور اطراف
و جوانب بلکہ دوسرے صوبوں کے لوگوں کو بھی مسح کر رکھا تھا؛ وہ
مولوی اشرف علی تھانوی بھی آپ کی عظمت و جلالت قدر کے بڑے
قدرداں تھے انھوں نے جو منظوم خراج عقیدت آپ کی بارگاہ میں پیش کیا
ہے اس سے آپ کی روحانی عظمت کا صحیح طور سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے
ماہنامہ القاسم، دارالعلوم منبر میں مشنری، زیر و بم کے حوالے سے مرقوم ہے۔

عالم و کامل ولی، مردِ خدا پاتے اور پاتے فخرِ انبیاء
ہم جمالی ہم جلالی شان او کانِ حلم و مخزنِ خلقِ بکھو
نقش و تقویدش مثل نقشِ قدر فیض اور بر خاص و عام مثل بدر

حاجی صاحب کو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے سلسلہ چشتیہ صابریہ کا فیضان ضرور حاصل تھا مگر وہ طالبین کو سلسلہ قادریہ میں مرید فرمایا کرتے تھے اور بمشکل تمام آپ نے بیعت و ارشاد کا یہ سلسلہ شروع کیا تھا آپ کی عظمت کو دیکھ کر لوگ آپ سے شرفِ بیعت حاصل کرنے کی تمنا ظاہر کرتے مگر آپ انہیں بیعت نہیں کرتے آپ کی روحانی عظمت کے پیش نظر آپ کے پیرومرشد نے بھی بیعت و ارشاد حاصل کرنے کے لئے لوگوں کو آپ کے پاس بھیجنا شروع کر دیا مگر بجائے داخل سلسلہ کرنے کے آپ چھپ جاتے جب اس کی اطلاع آپ کے پیرومرشد کو ہوئی تو انہوں نے آپ کو بہت سمجھایا۔ مرشد کا حکم کیونکر ٹالا جاتا آپ مان گئے اور پھر بیعت و ارشاد کا سلسلہ شروع ہوا تو سیکڑوں نہیں بلکہ ہزار ہا افراد آپ کے دامنِ عقیدت سے وابستہ ہوئے۔ اس تعلق سے تھوڑی تفصیل سطور بالا میں گزر چکی ہے۔ چونکہ حاجت مندوں کو تقوید اور نقوش بھی دیتے تھے اس لئے ضرورت مند پریشان حال لوگوں اور معتقدین و مریدین کی آپ کی بارگاہ میں ہمیشہ بھیڑ رہتی۔ حکیم سید عبدالحی لکھتے ہیں:-

اربابِ خواجہ اکثر ان کی خدمت میں آیا کرتے ہیں صبح سے رات
دس بجے تک نقوش اور تقوید تقسیم کرتے ہیں ساکنین دیوبند ان
کے بہت معتقد ہیں۔

حاجی صاحب کو چونکہ حضرت میاں راج شاہ قادری علیہ الرحمہ
سودھ شریف ہریانہ سے سلسلہ عالیہ قادریہ کی خلافت تفویض ہوئی تھی،
اس لئے آپ بھی مرید کرتے وقت سلسلہ قادریہ کے طالبین کو وہی شجرہ
طریقت دیتے تھے جو آپ کو حضرت میاں راج شاہ سے ملا تھا اور روزانہ
اسے بطور وظیفہ مریدین کو پڑھنے کی تلقین بھی کیا کرتے تھے وہ شجرہ طریقت
آپ کے خلیفہ مولوی نذیر احمد دیوبندی نے اپنی کتاب تذکرۃ العابدین میں
ان الفاظ میں درج کیا ہے

شجرہ خاندانِ قادریہ عابدیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین

از محمد عابد و ہم راج خاں و امیل	ہم غلام بدر دین فخر محمد متقی
شاہ یحییٰ فضل و ہم سید محمد ہم جمال	ہم نصیر شیخ محمد ہم براہیم دلی
شہ بہار الدین احمد حضرت سید حسن	شاہ موسیٰ ہم علی باقعا و مرشدی
بو محمد شاہ احمد حضرت عالیجناب	عبدالرزاق عبد قادر بو سعید مولوی
بو یحسین بو فرح عبد الواحد و بو بکر	ہم جنید و سری و سقطی و کرخی سرمدی
ہم رضا ہم کاظم و ہم جعفر و باقر امام	شاہ زین العابدین ہم شہ حسین ابن علی
وز علی مرتضیٰ و ہم محمد مصطفیٰ	پاک گرداں سیدنا اسم از جہد امر فروئی

وصال سے قبل حاجی صاحب کو عارضۂ بخار لاحق ہوا اور سینے میں
تکلیف ہوئی آپ نے علاج کی طرف توجہ بھی فرمائی مگر
مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

۲۷ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ کو زیادہ طبیعت خراب ہو گئی اور جب دن
کے چار بج گئے تو آپ نے کسی حاضر باش سے دریافت کیا کہ کیا بچے ہیں ؟

جواب ملا کہ چار بجے ہیں آپ نے عصر کی نماز کے لئے کانوں پر ہاتھ رکھا اور پھر ہمیشہ کے لئے یاد الہی میں غرق ہو گئے ۔ مدارالمہام بہشت بریں " مادہ سنہ وفات ہے ۔

۲۸ ذی الحجہ ۱۳۳۱ء گیارہ بجے کے قریب مزار شید صاحب میں دفن ہوئے آپ کے مزار مقدس کے سرہانے جو کتبہ لگا ہے اس پر چلی حرفوں میں یہ عبارت کندہ ہے ۔

”یہ مزار حاجی سید محمد عابد حسین بانی دارالعلوم (دیوبند) کا ہے ۔“
حضرت حاجی عابد حسین کی وفات حسرت آیات پر منشی محمد ابراہیم دیر کے دست ذیل قطعہ قلمبند کیا ۔

سن کر وفات عابد پر سہیزگار کی	لاکھوں نے بنیں جھوڑیں لاکھوں ہونگیاں
دیکھو نہ دیکھو چار طرف اب جہان میں	ایسا بشر نہیں کہ جسے ان کا غم نہیں
وہ دل نہیں کوئی کہ جو محو الم نہ ہو	آج ایسی ایک آنکھ نہیں جس میں تم نہیں
ہے بے دم سفر نہ کہا ان سے ایک نے	خالی بزرگ لوگوں سے ملکبم نہیں
اپنا یہ قصبہ جھوڑ کے جاتے ہیں کس لئے	کیا دیوبند غیرت بلغ ارم نہیں
اخبار ہا سے ہند کے کالم سیاہ ہیں	افسوس ان کی موت کا کیا کچھ رقم نہیں
ہر وقت کہتے رہتے ہیں سالِ وفا آہ	کرتے کچھ اور کام اب اہل قلم نہیں

سال وفات تو بھی اب لکھ دے اے دیر

فوت آہ یہ وفات سے ویلوں سے کم نہیں

ایک اور اہل عقیدت نے درج ذیل قطعہ تاریخ وصال لکھ کر آپ کی عظمت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے ۔

کیا کہوں صدمہ ہوا کیسا مرے دل کو فراغ یہ خبر جس دم سنی دنیائے عابد اٹھ گیا
معرعہ تاریخ یہ نکلا لب افسوس سے ۔ مسجد چھتہ کا عابد اور ساجد اٹھ گیا

بانی دارالعلوم دیوبند کے تعلق سے جب یہ مقالہ جہان رضا لاہور میں شائع ہوا تو اس مقالہ نے کئی اہل علم کو درط حیرت میں ڈال دیا کئی ایک دانشوروں نے اپنے تاثراتی بیانات ایڈیٹروں کے نام ارسال کئے جناب طارق سلطان پوری (حسن ابدال) کا شمار پاکستان کے نامور شعراء میں ہوتا ہے انھوں نے بانی دارالعلوم دیوبند کی عظمت و جلالیت قدر کا اعتراف قطعہ مارتع وصال لکھ کر کیا ہے۔ موقع کی مناسبت سے موصوف کا قطعہ ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

پیکر صدق و صفا و صاحب عرفان و علم	مرد حق عابد حسین عالی مقام و نامور
آج ہے دیوبند کا مشہور جو دارالعلوم	اس کا بانی تھا حقیقت میں وہ مرد حق و نگر
اہل حق کے ہیں جو اعمال و عقائد مستند	کاربندان پر تھا وہ مخدوم ارباب نظر
صاحب کشف و کرامت، حاصل کامل ولی	نقش پر تاثیر تعویذات اس کے پُر اثر
قائل نذر و نیاز و محفل میلاد تھا	اس کے محبوب عترت و اصحاب شاہ بحر و بر
للہیت، پاکبازی کا وہ پیکر دیدہ زیب	خوش عقیدہ، وہ محب عاشق خیر البشر
صاحب کیف حضوری تھا بہ تکثیر درود	خوش عتیق تھا وہ پاکیزہ دل و روشن نظر
خود ولی اور اولیائے پاک کا اخلاص مند	رام پور سے اسے حاصل ہوا فیض نظر
نام ابداد اللہ تھا جس کا نسیم فیض فقر	اس کے خوان فقر و عرفاں سے ہوا وہ ہر وقت
راج شاہ سے قادری نسبت بھی حاصل تھی	کیا کشادہ ظرف رکھتا تھا وہ عبد خوش سیر
اس نے ڈالی تھی بنا جس مرکز تعلیم کی	آج ہے وہ اس کے مسلک کے مخالف سرک
اپنے بانی کے عقائد سے ہوا وہ مخرف	سینہ سوز و دل شکن یہ سانچے کس قدر
عاشق سرکار بانی، یہ ہے گستاخ حضور	واقعی منظر ہے یہ افسوسناک و تلخ تر
داد کا ہے مستحق تسخیر کا حقدار ہے	آشکارا کر دی اہل حق نے حقیقت مستتر
تریت، عابد، پے گو ہر بار ہوتا روزِ حشر	ابر لطف و بارش نذر خدا نے بحسب ربر

مجھ سے ہاتھ لے کر کہا ازروئے بندہ پروری

اس کا سال و محل ہے ہر شمس بصیرت دیدہ و در، لے

دارالعلوم دیوبند



اصل بانی کون

دارالعلوم دیوبند کا اصل بانی کون

دارالعلوم دیوبند اور اس کے بانی حاجی سید محمد عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی اور دینی و تبلیغی سرگرمیوں پر طائرانہ نظر ڈالنے کے بعد کشف حقائق کے طور پر اب دارالعلوم دیوبند کا اصل بانی کون ہے؟ عنوان سے ٹھنڈے دل کے ساتھ اس بحث کا مطالعہ کیا جائے جس کے اخبار میں چھپتے ہی حلقہ دیوبندیت میں کھلبلی مچ گئی اور اس حلقہ کے ایں قدر اور ایں قدر سب اخبار برہمی کرتے ہوئے ہاتھ دھو کر راقم الحروف کے پیچھے پڑ گئے۔

دارالعلوم دیوبند کے اصل بانی سلسلہ قادریہ کے عظیم بزرگ حاجی سید محمد عابد حسین علیہ الرحمۃ والرضوان ہیں لیکن موجودہ دیوبندی مکتب فکر سے اُن کے عقائد و نظریات متصادم تھے۔ اُن کا عقیدہ اُس دور میں وہی تھا جس کے علمبردار اس زمانہ میں امام اہلسنت حضرت مولانا شاہ احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے خلفاء اور متبعین ہیں۔ اس لئے ان کے نام پر پردہ ڈال کر ہمیشہ کے لئے انہیں گوشہ خوں میں ڈال دیا گیا اور اصل بانی کی حیثیت سے مولانا محمد قاسم نانوتوی (م ۱۲۹۷ھ) کا نام مشہور کر دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں کے فارغ التحصیل طلبہ اپنے نام کے ساتھ ”قاسمی“ لکھتے ہیں۔ اس سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی

ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے بانی مولوی محمد قاسم نانوتوی ہیں نہ کہ حاجی سید محمد عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ۔

دارالعلوم دیوبند کے اصل بانی کی حیثیت سے تین لوگوں کا نام لیا جاتا ہے، ۱۱، حاجی سید محمد عابد حسین (۲)، مہاجر مکی (۱۳) اور اللہ (۳)، مولوی محمد قاسم نانوتوی۔ لیکن اس ادارے کے اصل بانی کون ہیں اس تعلق سے دلائل و شواہد سے مربوط تفصیلی گفتگو ذیل میں کی جا رہی ہے۔

علم کی نشر و اشاعت کے تعلق سے حاجی سید محمد عابد حسین نے ایک خواب دیکھا اس خواب کا ذکر ”تذکرۃ العابدین“ کے مصنف مولوی نذیر احمد دیوبندی نے ان لفظوں میں کیا ہے۔

”حاجی صاحب ایک بار چلے میں تھے کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا صبح ہوئی تو آپ نے مولوی فضل الرحمن کو بلا یا اور فرمایا کہ علم دین اٹھا جاتا ہے کوئی تدبیر کر دو کہ علم دین قائم رہے جب پرانے عالم نہ رہیں گے تو کوئی مسئلہ بتانے والا نہ رہے گا۔ اسی وقت آپ نے اپنے ہمنواؤں سے فرمایا کہ اس سلسلے میں جو آپ تدبیر فرمائیں ہم کو منظور ہے۔ آپ نے فرمایا کہ چندہ کر کے مدرسہ قائم کر دو اور کاغذ لے کر اپنا چندہ لکھ دیا اور روپے بھی سامنے رکھ دیتے اور فرمایا کہ انشاء اللہ ہر سال یہ چندہ دیتا رہوں گا۔ اسی وقت موجودہ لوگوں نے بھی چندہ دیا حاجی صاحب مسجد سے باہر نکلے چونکہ حاجی صاحب کسی کے گھر نہیں جاتے تھے اس لئے چندہ کے سلسلے میں جس کے بھی گھر گئے سب نے اپنا فخر سمجھا اور چندہ لکھ دیا۔ اس طرح شام تک قریب چار سو روپے جمع ہو گئے۔ اگلے روز حاجی صاحب نے مولوی محمد قاسم کو میرٹھ خط لکھا کہ آپ پڑھانے کے واسطے دیوبند آئیے فقیر نے یہ صورت اختیار کی ہے مولوی محمد قاسم نے جواب میں لکھا۔ میں بہت خوش ہوں خدا بہتر کرے مولوی ملا محمود صاحب کو پتہ رہے۔“

روپے ماہوار تنخواہ مقرر کر کے بھیجتا ہوں اور میں مدرسہ مذکورہ میں ساعی رہونگا۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند کے مصنف نے لکھا ہے کہ ”حاجی محمد عابد کی کی ساعی سے ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء بروز پنجشنبہ اس مدرسہ کی بنیاد پڑی اور اس کا نام مدرسہ عربی و فارسی دریاضی رکھا گیا حسب پروگرام ملا محمود بحیثیت مدرس تشریف لائے اور تعلیم و تعلم کا سلسلہ شروع ہو گیا اس ابتدائی درس و تدریس کا ذکر سوانح قاسمی میں ان لفظوں میں موجود ہے۔“ سب سے پہلے اس مدرسہ کے مدرس ملا محمود صاحب ہیں اور جائے

مدرسہ فرش مسجد چھتہ، طالب علم مولوی عبدالعزیز صاحب ہیں۔^۱ درس و تدریس کی یہ خبر اس علاقے میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی طلبہ حصول علم کے لئے جوق در جوق چھتہ والی مسجد کی طرف ٹوٹ پڑے ایک دن وہ آیا کہ طلبہ کی کثرت کے باعث مسجد چھتہ کی جگہ درس و تدریس کے لئے ناکافی ہو گئی کرایہ پر ایک مکان لیا گیا۔ اور پھر وہاں تعلیم ہونے لگی مگر چونکہ مدرس ملا محمود قن تنہا تھے۔ اور طلبہ ان کے سنبھالے نہ سنبھالتے تھے اس لئے حاجی صاحب نے ادارہ کو باضابطہ شکل دینے کے لئے ایک میٹنگ طلبہ کی ادارہ کی یہ باضابطہ پہلی میٹنگ تھی جس میں مجلس شوریٰ کا انتخاب عمل میں آیا۔ اس میں درج ذیل حضرات مجلس شوریٰ کے ممبر نامزد کئے گئے۔ مولوی محمد قاسم، مولوی فضل الرحمن، مولوی ذوالفقار علی، مولوی مہتاب علی، منشی فضل حق اور حاجی (سید محمد عابدین) صاحب خود اہل شوریٰ کے سرپرست، ہتھم مدرسہ بلا تنخواہ رہے جب چندہ کی آمدنی زیادہ ہونے لگی تو بحیثیت مدرس مولوی محمد یعقوب کو بریلی سے بلا کر مدرس اقل بنادیا اور ایک مدرس فارسی اور قرآن شریف پڑھانے

کے لئے مقرر کیا۔ مدرسہ کی روز افزوں ترقی دیکھ کر مولوی ذوالفقار علی بہت خوش ہوئے انہوں نے حاجی محمد عابد کے فضائل و کمالات اور دینی و دنیاوی سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

”خداے تعالیٰ ان (حاجی محمد عابد حسین) کو صحاب کے برسنے اور کتاب کے پڑھے جانے تک باقی رکھے اور امیدوں کی غایات بلندی پر ترقی دے (انہوں نے) اس مدرسہ مقدسہ کی بنیاد قائم کرنے پر الہام کیا واہ کیا مدرسہ ہے جس کی بنیاد طریقہ مستقیم پر رکھی گئی ہے گو یہ چھوٹا شہر اور زمانہ اس کا مددگار نہ تھا مگر خداوند جلیل عزیز، علیم، حکیم، علیم کی قدرت ہے کہ جب وہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے اسباب آسان ہو جاتے ہیں۔ پس حضرت ممدوح نے اس کارِ ثواب اور تائیدِ رائے ثواب کے لئے ۱۲۸۲ھ میں پکارا خلقت نے اسے نہایت غور سے کیا اور قبول کیا اور جناب والا کی التماس کا اتباع کیا:

آجناب کی سعی مشکور سے علم اور علمار کا ٹھکانہ اور مرجع فضل و پناہ دین و دین داراں بن گیا۔

دارالعلوم دیوبند کا آغاز چھتہ والی مسجد میں قائم مدرسہ عربی و فارسی و ریاضی سے ہوا۔ پھر تعمیر مسجد کے بعد چند سال وہاں بھی جاری رہا لیکن جب مسجد کے عہدوں میں درس و تدریس اور قیام طلبہ کی گنجائش دشوار ہو گئی تو ایک مکان متصل مسجد قاضی کراہ پر لیا گیا مگر یہ کوئی باضابطہ حل نہ تھا اسلئے، حاجی صاحب نے خود ہی شوری سے کہا کہ مدرسہ کے واسطے زمین خریدنی چاہئے۔ اہل شوری نے کہا اگر آپ کی رائے یہ ہے تو بہتر ہے مگر آپ ہی جگہ تجویز کر کے خرید فرمائیے چند روز کے بعد حاجی صاحب نے جگہ تجویز کر کے خرید کی اور اس کا بیع نامہ بھی حاجی صاحب کے نام ہوا۔ اور مولوی رفیع الدین جو مدرسہ کے مہتمم تھے انہیں کے ذمہ مدرسہ کی تعمیر کا اہتمام

سپرد کیا اور ایک لاکھ کی لاگت سے مدرسہ تعمیر ہوا۔ لے

مدرسہ اور مسجد دونوں کی بنیاد اور تعمیر کے سلسلے میں حاجی محمد عابد نے جو شبانہ روز مساعی کی ہیں اور جن دشواریوں کے ساتھ پیسہ اکٹھا کیا ہے اسے ہرگز فراموش نہیں کیا جاسکتا جب تک سرزمین ہند پر دارالعلوم کا قیام رہے گا اس صدقہ سجادہ کا خواب حاجی صاحب کی روح پر فوج کو پہنچتا رہے گا۔ یہ عجیب اتفاق ہے سرزمین دیوبند کے دونوں بڑے مذہبی مراکز کے بانی حاجی صاحب کی ذات ستودہ صفات ہے۔ ڈاکٹر بصیر احمد خاں ریڈیو سابق صدر شعبہ اسلامیات نئی دہلی اپنے تحقیقی مقالے میں لکھتے ہیں

یہ حسن اتفاق ہے کہ مدرسہ کی ابتداء اور جامع مسجد کی بنیاد ایک ہی سال یعنی ۱۲۸۳ھ میں پڑی اور یہ بھی خاص بات ہے کہ ان دونوں عظیم کاموں کو شروع کرنے کی سعادت حاجی محمد عابد حسین صاحب کو نصیب ہوئی لے مدرسہ کے قیام کے سلسلے میں حاجی صاحب نے جس طرح پیسہ اکٹھا کیا اور جس ایمانی جوش و خروش کے ساتھ بندگان خدا کے سامنے اپنا رومال پھیلا یا اس کا ذکر مولوی مناظر احسن گیلانی نے منشی فضل حق مصنف، سوانح مخلوط (ممبر مجلس شوریٰ) کے حوالے سے ان لفظوں میں کیا ہے۔

(حاجی محمد عابد صاحب) ایک دن بوقت اشراق سفید رومال کی جھولی بنا کر اور اس میں عین روپے اپنے پاس سے ڈالے چھتہ کی مسجد سے تنہا مولوی مہتاب علی صاحب مرحوم کے پاس تشریف لائے مولوی صاحب نے کمال کشادہ پیشانی سے چھ روپے عنایت کئے اور دعا کی

لے تذکرۃ العابدین ص ۵۵

لے اسلامی علوم میں حاجی امداد اللہ کی خدمات و اخراجات قلمی ص ۱۶

اور بارہ روپے مولوی فضل الرحمن صاحب نے اور چھ روپے اس مسکین (یعنی سوانح) مخطوطہ کے مصنف منشی فضل حق صاحب دیوبندی) نے دیئے۔ وہاں سے اٹھ کر مولوی ذوالفقار علی صاحب کے پاس آئے مولوی صاحب ماسار الشد علم دوست ہیں فوراً بارہ روپے دیئے اور حسن اتفاق سے اس وقت سید ذوالفقار علی ثانی دیوبندی وہاں موجود تھے ان کی طرف سے بھی بارہ روپے عنایت کئے وہاں سے اٹھ کر یہ درویش بادشاہ صفت (حاجی محمد عابد) محلہ ابوالبرکات پہونچے۔ دوسروپے جمع ہو گئے اور شام تک تین سو روپے پھر تو رفتہ رفتہ خوب چرچا ہوا اور جو پھل پھول اس کو لگے ظاہر ہیں۔ یہ قصہ بروز جمعہ دوم ماہ ذی قعدہ ۱۲۸۶ھ میں ہوا اور مدرسہ ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ میں جاری ہوا۔ لے

حاجی سید محمد عابد حسین کی شخصیت دیوبند میں بڑی مقتدر تھی مذہبی اعتبار سے ان کا پایہ بہت بلند تھا باشندگان دیوبند انھی خوبوں کی بنا پر ان کا بڑا احترام کرتے تھے اس لئے مدرسہ کا قیام اور اس کی تعمیر و ترقی کے سلسلے میں ان سے زیادہ موزوں کوئی شخص نہیں ہو سکتا تھا ان کی اس خوبی کا اعتراف کرتے ہوئے مولوی ذوالفقار علی دیوبندی نے لکھا ہے۔

”مدرسہ دیوبند کو سلطان روم بھی بغیر حاجی محمد عابد صاحب کی مدد کے نہیں چلا سکتا“

بہر حال جب باضابطہ طور پر الگ ایک مدرسہ کی تعمیر ہو گئی اور تعلیم و تدریس کا سلسلہ شاہراہ ترقی پر چل پڑا تو حاجی صاحب نے مدرسہ کا

اہتمام مولوی رفیع الدین کے سپرد کر دیا اور خود اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے۔ لیکن جب مولوی رفیع الدین ہجرت کر کے مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور وہیں ان کا انتقال ہو گیا تو ایک بار پھر مدرسہ کے اہتمام کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ہزار تنقیر اور تلاش کے باوجود ایسا کوئی شخص دیوبند میں نہ مل سکا جو اس ذمہ داری کو بطور احسان انجام دیتا تو شوریٰ کی نگاہ میں ایک بار پھر آپ کی طرف مرکوز ہوتیں۔ اس موقع سے ایک اشتہار شائع ہوا جس میں حاجی محمد عابد حسین کے دوبارہ اہتمام بننے کا اعلان تھا۔ یہ اشتہار ۲۲ جمادی الاول ۱۳۳۱ھ کو شائع ہوا جس میں درج ذیل حضرات کے دستخط تھے۔ العبد رشید احمد گنگوہی، العبد محمد ضیاء الدین رام پوری، العبد مشتاق احمد دیوبندی، العبد ذوالفقار علی دیوبندی العبد محمد فضل الرحمن دیوبندی، العبد محمد فضل حق دیوبندی۔

اشتہار میں جو عبارت درج ہے اس سے اگر ایک طرف ان کو مدرسہ کے اہتمام والے انصرام کی ذمہ داری تفویض کرنے کا علم ہوتا ہے تو دوسری طرف اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ اس ادارہ کے بانی اور مجوز اول خود حاجی صاحب ہی ہیں۔ اشتہار کی عبارت یہ ہے :

.. جملہ غیر خواہان مدرسہ کو بسبب روانگی مولوی رفیع الدین صاحب نہایت تشویش پیش آئی ناچار ہمز اس تجویز کے کوئی چارہ بن نہ پڑا کہ مجتمع ہو کر بخدمت بابرکت حضرت سید محمد عابد صاحب دام برکاتہ جو بانی و مجوز اول مدرسہ ہذا و حامی و سرپرست و سرآمدار باب مشورہ ہیں اور اول اول ایک عرصہ دراز تک اہتمام مدرسہ رہے ہیں حاضر ہو کر ملتقی ہوئے کہ جناب والا پھر اس کام کو انجام دیں بحمد اللہ کہ سید صاحب ممدوح نے بنظر حمایت دین متین و خوشنودی رب العالمین و خرسندی روح پرفروز حضرت سید المرسلین وآلہ واصحابہ اجمعین نے اس عرض کو

قبول فرمایا۔ جزاء اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔ ۱۷

اس واضح اور روشن حقیقت کے باوجود ہمارے بعض تاریخ نویسوں نے تعصب سے کام لیا ہے اور حقائق سے چشم پوشی کرتے ہوئے اصل تاریخ کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے جیسے انوس ہے پاکستان کے مشہور دانشور پروفیسر ظہور احمد اظہر برجن کا ایک تحقیقی مقالہ ”دیوبندی“ کے عنوان سے ”دائرة المعارف الاسلامیہ“ کی جلد ۹ میں شامل ہے۔ اپنے اس تحقیقی مقالہ میں حقائق پر دبیر چادر ڈالتے ہوئے پروفیسر موصوف نے لکھا ہے۔

۱۔ اس دارالعلوم کی بنیاد ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ / ۱۸۶۶ء کو دیوبند کی ایک قدیم مسجد چھتا میں مشہور عالم دین مولانا محمد قاسم نانوتوی (رحمۃ اللہ علیہ) ۱۲۸۶ء تا ۱۳۹۷ء (۱۸۷۰ء تا ۱۹۱۰ء) نے چند اہل فضل و تقویٰ بزرگوں کے تعاون اور مشورے سے رکھی تھی جن میں سے مولانا فضل الرحمن عثمانی (جو شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کے والد تھے) مولانا ذوالفقار علی دیوبندی اور حاجی عابد حسین کے نام قابل ذکر ہیں۔ ۲۔

حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ جس زمانے میں دارالعلوم کی بنیاد پڑی اس زمانے میں مولانا نانوتوی دیوبند میں ہی نہیں تھے تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۲۹۰ء میں حضرت مولانا نانوتوی میرٹھ اور دہلی میں رہے اس کے بعد کسی سبب میں دیوبند پہنچے اور مدرسہ کی سرپرستی قبول فرمائی۔ ۳۔ نانوتوی صاحب کو بانی بنانے کی سازش ۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء کے بعد چلی گئی کیونکہ اس سے پہلے دارالعلوم کی کسی روداد میں مولانا قاسم نانوتوی

کا نام بانی کی حیثیت سے نہیں ملتا۔ بہر حال انہوں نے جب بھی سرپرستی قبول کی اس سے بحث نہیں اتلاطے ہے ان کی سرپرستی نے مدرسہ دیوبند کو بام فرما پر پہنچا دیا۔ مولوی محمد یعقوب جو اس مدرسہ کے مدرس اول مقرر کئے گئے انہوں نے مولوی محمد قاسم نانوتوی کے حالات پر مشتمل ایک کتاب لکھی ہے اس میں انہوں نے یہی لکھا ہے کہ جن لوگوں نے شروع میں مدرسہ کی تجویز رکھی تھی اس میں حاجی محمد عابد حسین کا نام سر فہرست ہے اس دینی امور میں مولوی فضل الرحمن اور مولوی ذوالفقار علی بھی ان کے شریک کار تھے اصل عبارت درج ذیل ہے۔

مولوی فضل الرحمن اور مولوی ذوالفقار علی صاحب اور حاجی محمد عابد صاحب نے یہ تجویز کی کہ ایک مدرسہ دیوبند میں قائم کریں تنخواہ پندرہ روپے تجویز ہوئے اور چندہ شروع ہوا چند ہی روز گزرے کہ چندہ کو افزونی ہوئی اور مدرس بڑھائے گئے اور مکتب فارسی اور حافظ قرآن مقرر ہوئے اور کتب خانہ جمع ہوا مولوی محمد قاسم صاحب شروع مدرسہ میں دیوبند آئے اور پھر ہر طرح اس مدرسہ کے سرپرست ہوئے۔ ۱

مولوی محمد قاسم کی دیوبند میں آمد کے بعد مدرسہ نے دن رونی رات چوگنی ترقی کی اور ایک دارالعلوم کا نقشہ جو ان کے ذہن و دماغ میں تھا اسے پیش کیا اور اسی ڈھری پر مدرسہ کو چلانے کی راہ ہموار کی جس میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی رہے۔ شیخ محمد اکرام نے موج کوثر میں ان کی ان خوبیوں کا ذکر کیا ہے لیکن ساتھ ہی انہوں نے اس کا بھی اعتراف کیا ہے کہ وہ مدرسہ دیوبند کے اصل بانی نہ تھے اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے شیخ محمد اکرام رقمطراز ہیں :

مولانا محمد قاسم نانوتوی مدرسہ دیوبند کے اصل بانی نہ تھے لیکن مدرسہ کو ایک شاندار دارالعلوم بنانے کا خیال آپ کا تھا۔ جن قابل عزت بزرگوں نے اس مدرسے کو شروع کیا شاید ان کا منہ تھکے مقصود ایک مکتب سے زیادہ نہ تھا جو جامع مسجد کی سہ دریوں میں بھی جاری رہ سکتا تھا۔ لیکن مولانا محمد قاسم نے شروع ہی سے اپنا تخیل بلند کر رکھا اور مدرسہ کی بنیاد میں اس قدر وسیع اور بلند رکھیں کہ ان پر دارالعلوم کی عالی شان عمارت تعمیر ہو سکی۔

مدرسہ کے اصل بانی حاجی سید محمد عابد حسین ہیں مگر اس مدرسہ کو ترقی دے کر دارالعلوم کی شکل دینے میں مولوی محمد قاسم نانوتوی کی خدمات کو بھی ہرگز فراموش نہیں کیا جاسکتا ٹھیک اسی طرح جس طرح سرسید نے علی گڑھ میں مدرسۃ العلوم کی بنیاد رکھی اور ان کے رفقاء نے اپنے شاہد روز مساعی سے اسے کالج اور پھر یونیورسٹی کی شکل میں تبدیل کیا مگر اس کے باوجود بھی موجودہ یونیورسٹی کا بانی سرسید ہی کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ موجودہ دارالعلوم دیوبند اسی مدرسہ عربی، فارسی و ریاضی کی ترقی یافتہ شکل ہے جس کی بنیاد ~~مدرسہ~~ میں حاجی محمد عابد حسین نے ڈالی تھی پھر انہیں دارالعلوم دیوبند کا بانی کیوں کر تسلیم نہیں کیا جاتا ہے۔ یہ ایک سوالیہ نشان ہے جس پر ارباب حق کو سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے جو معاصر شواہد ہیں ان سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ حاجی صاحب میلاد و فاسخ اور بزرگان دین کی نذر و نیاز کے قائل تھے اس لئے ان کا نام پردہ خمول میں ڈالا گیا اور میر کارواں کی حیثیت سے مولوی محمد قاسم نانوتوی ابھر کر سامنے آ گئے۔

مدرسہ کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کی واحد وجہ نیتوں کا فتور اور نفسانیت کا دخل تھا۔ حاجی صاحب نے اس کی بنیاد خلوص و لہیت پر رکھی تھی لیکن جب مولانا محمد قاسم نانوتوی اس ادارہ سے وابستہ تھے تو وہ خلوص و لہیت جس پر مدرسہ کی بنا تھی وہ مفقود ہوتی نظر آئی اور حاجی صاحب اور دوسرے اراکین ادارہ کے نظریات و خیالات باہم متصادم ہونے لگے اور جس مقصد کے لئے ادارہ قائم ہوا تھا عملی طور پر اس سے کوسوں دور چلا گیا تو حاجی محمد عابد حسین صاحب نے مکمل طور پر مدرسہ سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ تذکرۃ العابدین کے مصنف لکھتے ہیں۔

۔ چونکہ لوگوں کے دلوں میں خلوص نہیں رہا اس لئے اختلافات رونما ہوتے رہے نتیجہ یہ ہوا ایک وقت وہ آیا کہ آپ مدرسہ کے کاروبار سے علیحدہ ہو گئے اور فرمایا کہ اب لہیت نہ رہی بلکہ نفسانیت آگئی۔ فقیر کو ان سب باتوں سے کیا غرض :۔

سطور بالا میں حاجی صاحب نے جس نفسانیت کا ذکر کیا وہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ اس مدرسہ کے ذریعہ اسلام کی حقانیت و صداقت کی نشر و اشاعت کا جواہر فریضہ انجام دینا چاہتے تھے اس سے مدرسہ کے دوسرے اراکین متفق نہ تھے ان حضرات کا نقطہ نظر بالکل جداگانہ تھا وہ اس مدرسہ کو انگریز حکومت کی رضا و منشا کے مطابق چلانا چاہتے تھے کیونکہ مدرسہ کے صدر مدرس مولوی یعقوب علی حکومت وقت کے زبردست ہی خواہ تھے مدرسہ کی صدر مدرس قبول کرنے سے قبل وہ کئی شہروں میں انگریز گورنمنٹ میں ڈپٹی انسپکٹر

آف اسکول کے فرائض انجام دے کر اپنے حسن کارکردگی سے انگریزوں کی نظر میں محبوب بن چکے تھے اپنے اسی کامیاب تجربہ کی روشنی میں اس مدرسہ کو اسی روش پر لے جانا چاہتے تھے جو انگریز حکومت کے عین منشاء کے مطابق تھا اس لئے ان کے خیالات کا حاجی محمد عابد کے خیالات سے متصادم ہونا ناگزیر تھا۔ اور مولوی محمد یعقوب علی ہی کیا جتنے لوگ اس مدرسہ سے وابستہ ہوئے اس میں اکثر لوگ انگریزی حکومت کے وظیفہ خوار تھے اور ان کے دور حکومت میں اہم عہدوں اور مناصب پر فائز تھے۔ شیخ الہند مولوی محمود الحسن دیوبندی (م ۱۹۱۹ء) کے والد ماجد مولوی ذوالفقار علی دیوبندی (م ۱۹۱۹ء) ایک عرصہ تک بریلی کالج میں مدرس رہے پھر ڈپٹی انسپکٹر مدارس بنائے گئے اور اسی عہدہ سے ریٹائر ہوئے۔ مولوی شبیر احمد عثمانی دیوبندی (م ۱۹۳۹ء) کے والد ماجد مولوی فضل الرحمن دیوبندی (م ۱۹۸۹ء) بریلی میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے ۱۹۵۷ء میں اسی عہدہ پر جلوہ افروز تھے مدرسہ دیوبند کے پہلے صدر مدرس مولوی محمد یعقوب علی بھی انگریزی دور حکومت میں سرکاری ملازم تھے۔ پروفیسر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں:

”جب ۱۵ مارچ ۱۹۸۳ء کو مدرسہ اسلامیہ دیوبند قائم ہوا تو مولانا محمد یعقوب صدر مدرس مقرر ہوئے اس وقت مولانا محمد یعقوب سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہو چکے تھے۔“

مولوی محمد یعقوب کی تقرری کہاں تھی اور انہوں نے اپنی ذمہ داریاں کس طرح نبھائیں۔ اس کی وضاحت پروفیسر محمد ایوب قادری نے ان لفظوں میں کی ہے:

مولانا مملوک علی کے صاحبزادے مولانا محمد یعقوب نانوتوی اجیر کالج میں مدرس مقرر ہوئے پھر بتارس، بریلی اور سہارنپور میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس رہے۔ ۱۷

ہنگامہ غدر ۱۸۵۷ء کے موقع پر بھی مولوی محمد یعقوب بڑی شان و شوکت کے ساتھ اپنے عہدہ پر جلوہ فگن رہے۔ اہل حدیث عالم مولوی عبدالغنی قدوسی لکھتے ہیں۔

قیام مدرسہ کے بعد سب سے پہلے صدر مدرس کی حیثیت سے جس شخص کا تقریر ہوا وہ مولانا مملوک علی کے صاحبزادے مولانا محمد یعقوب نانوتوی تھے۔ عجیب اتفاق ہے کہ یہ بزرگ بھی ۱۸۵۵ء کے وقت اسی عہدہ پر فائز تھے۔ ۱۸

انگریزی دور حکومت کے یہ وظیفہ خوار ملازمین حاجی محمد عابد حسین کے لگائے ہوئے چنستان علم و حکمت پر جب پوری طرح قابض ہو گئے اور خلوص و لہیت وہاں سے رخصت ہو گئی تو حاجی صاحب خود ہی اس مدرسہ سے بے دخل ہو گئے پھر میدان خالی پا کر ان انگریز نواز علمائے اسی طرح مدرسہ کو چلایا جیسا انگریز چاہتے تھے۔ چنانچہ جب ان نام نہاد علماء کو زمام اقتدار سنبھالے اور مدرسہ کا انتظام و انصرام دیکھتے ہوئے چند سال گزر گئے تو برٹش گورنمنٹ نے اپنے ان وظیفہ خوار مولویوں کی کارکردگی کا اپنے خطیہ ایکبٹوں سے معائنہ کرایا کہ جس مقصد کے لئے ہمارے یہ علماء مدرسہ چلا رہے ہیں اس میں وہ کہاں تک کامیاب ہیں وہ مقصد حاصل بھی ہو رہا ہے یا نہیں۔ یہ واضح رہے

کہ مدرسہ سے وابستہ علمائے کرام کا مقصد اگر خالص اشاعت دین
حق ہوتا تو برٹش گورنمنٹ کے زیر اہتمام اس کے خفیہ معائنے کی
کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی اس معائنہ سے تو اس رچی ہوئی سازش
کا پتہ چلتا ہے جو ان علمائے کرام اور برٹش گورنمنٹ کے باہم سمجھوتے
سے عمل میں آیا تھا۔ دیوبندی مکتب فکر کے عظیم دانشور پروفیسر
محمد ایوب قادری کی زبانی رپورٹ پڑھئے۔

۔ اس مدرسہ نے یوٹائیوٹا ترقی کی۔ ۳۱ جنوری ۱۸۷۵ء بروز یکشنبہ
لیفٹنٹ گورنر سر جان اسٹریکی نے اپنے ایک خاص معتمد مسٹر جان پامر
نے اس مدرسہ کو دیکھا تو اس نے نہایت اچھے خیالات کا اظہار کیا
اس کے معائنہ کی چند سطروں درج ذیل ہیں۔

”جو کام بڑے بڑے کالجوں میں ہزاروں روپے کے صرفے سے
ہوتا ہے وہ یہاں کوڑیوں میں ہو رہا ہے جو کام پرنسپل ہزاروں روپیہ
ماہانہ تنخواہ لے کر کرتا ہے وہ یہاں ایک مولوی چالیس روپیہ ماہانہ پر کر رہا
ہے یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار ممد و معاون سرکار ہے بلکہ
”مولانا عبدالحکیم اختر شاہ جہاں پوری کا یہ قبصرہ بھی پڑھنے کے
قابل ہے فرماتے ہیں۔ گورنر کے خفیہ معتمد کا اچانک معائنہ کرنا آخر
کیوں؟ ایک انگریز افسر نے مدرسہ دیوبند کی وہاں کی تعلیم و
معلمین کی تعریف کیا اس وجہ سے کی وہاں اسلام کی خدمت ہو رہی
ہے؟ انگریز خدمت اسلام سے خوش ہوتے تھے یا اس کے
استحصا میں سکون محسوس کرتے تھے؟“

دارالعلوم دیوبند کے پلیٹ فارم سے علمی و دینی خدمات کے نام پر کب
کارنامہ انجام دیا گیا اس کی تفصیل بھی مختصراً پڑھتے چلیں تاکہ یہ واضح ہو جائے
کہ انگریزی گورنمنٹ کی ملازمت سے سبکدوش پنشن یافتہ "وفادار" افراد
اشاعت دین حق میں کس قدر مخلص تھے ان کی ان خدمات کا سرسری جائزہ
جناب نوشاد عالم چشتی نے ان نغظوں میں پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:
"فرنگی حکومت کے معاون دارالعلوم دیوبند اور اس سے وابستگان افروغ
اسلامیان ہند کو دینی اور علمی خدمات کے نام پر کیا یہ تفصیل طلب مسئلہ ہے
بطور اختصار عرض یہ ہے۔"

۱۔ ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء میں مولوی محمد قاسم نانوتوی صاحب نے اپنی کتاب
تحدیر الناس میں رسالتاً صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت کا انکار کیا۔

۲۔ ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء میں مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب "امکان کذب"
یعنی اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے پر قادر ہونے کا فتویٰ دیا۔ (ملاحظہ کریں)
فتاویٰ رشیدیہ ۹۵ مطبوعہ ۱۳۸۵ھ، ناشر گستان کمرہ دیوبند)

۳۔ ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء میں مولوی جلیل احمد انبلیوی نے اپنی کتاب برہمن چھ
میں رسالتاً صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کو شیطان سے کٹر ثابت کیا جس کی تصدیق
مولوی رشید احمد گنگوہی نے بھی کی۔

۴۔ ۱۳۸۹ھ/۱۹۶۹ء میں مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نے اپنی
کتاب حفظ الایمان میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کو
پاگل جنون جانوروں اور چرپائیوں جیسی حقیر اور ذلیل مخلوق سے تشبیہ
دے کر رسالتاً صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی نفی کی۔

۵۔ ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۳ء میں مولوی محمد قاسم نانوتوی صاحب نے اپنی کتاب
"تصفیۃ العقائد" میں انبیائے کرام کو مرتکب کذب اور معاصی زدہ ہونا
ثابت کیا۔ ۱۹۶۵ء میں مفتی مسعود احمد مفتی سید احمد علی سعید صاحبان

نے دارالافتار دیوبند سے مذکورہ عقیدے پر کفر کا فتویٰ دیا۔ (ملاحظہ کریں

ماہنامہ تجلی دیوبند بابت ماہ اپریل ۱۹۶۵ء صفحہ ۶۵)

یہی وہ کام ہے جو ہزاروں روپے صرف کر کے نہیں بلکہ کوڑیوں میں
انگریز بہادر نے وابستگان دارالعلوم دیوبند سے کرایا تاکہ مولوی اسماعیل دہلوی
کی روح خوش ہوتی رہے اور مسلمان آپس میں "ٹھیکڑ" کرکے زور ہوتے رہیں۔ لے
جہاں انگریز نواز فکر و نظر کے علماء مدرسہ کے منتظم کار ہوں اور
ادارہ کے سیاہ و سفید کے مالک ہوں وہاں دین حق کی اشاعت
خالصاً کیوں کر ہوگی انہوں نے برٹش گورنمنٹ کی حمایت سے اسی
طرح ادارہ چلانے کی کوشش کی ہوگی جس سے دینی کار کو نقصان پہنچے
اور امت مسلمہ میں انتشار ہو اس لئے حاجی صاحب کا مدرسہ سے از
خود کنارہ کش ہونا بعید از عقل نہیں معلوم ہوتا ہے ان کے مستعفی ہوتے
ہی مدرسہ کی باگ ڈور پوری طرح مولوی محمد قاسم کے ہاتھ آئی اور جو
نظر باقی جنگ حاجی صاحب اور مولوی محمد قاسم نانوتوی اور ان کے
دوسرے رفقاء کے درمیان تھی اقتدار ہاتھ میں آتے ہی سر پر ڈگئی
ان دونوں حضرات کے درمیان باہمی اختلاف کیا ہے اس کا ذکر مولانا
سید انظر شاہ کشمیری صاحب استاد تفسیر دارالعلوم دیوبند نے ان لفظوں میں کیا ہے۔
"الحاج صوفی روشن ضمیر مولانا عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ بلاشبہ
دارالعلوم کے ابتدائی بانی ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ آفاقی اور عالمی
درسگاہ کے تخیل سے مرحوم کا دل و دماغ بالکل خالی تھا۔ ایک عظیم درسگاہ
جو آفاقی تصورات کی حامل ہو کلیہ حضرت مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ
کی مرہون منت ہے، نیز ابتدائی آویز نہیں جو حضرت مولانا قاسم صاحب

اور حاجی عابد حسین مرحوم میں رہیں جن کی محتاط تعبیر شکر رنجی یا شاجرت
ہی سے ہو سکتی ہے میرے نزدیک اس کی واقعیت صرف اتنی نہیں
کہ عمارت کے مختصر یا وسیع کرنے پر دونوں بزرگوں کا اختلاف تھا جیسا
کہ میں اپنے بزرگوں سے برابر سننا رہا مجھے عرض کرنے دیجئے کہ یہ آویز
خالص نظر پاتی جنگ تھی میں تفصیلات میں تو ہرگز نہیں جاؤں گا اس
لئے کہ وہ ایک دلخراش تاریخ کا باب ہے لیکن اپنے علم و مطالعہ کی
بنیاد پر اتنا ضرور عرض کروں گا کہ جو دیوبند حضرت حاجی عابد حسین
الغفور کی زیر تربیت بن رہا تھا وہ یقیناً اس دیوبند سے مختلف ہوتا
جس کا تعارف اور شہرت عالم اسلام سے گذر کر اقصائے عالم میں پہنچ چکی ہے۔
اختلاف کی بنیادیں کیا تھیں اس کی وضاحت مولانا انظر شاہ نے
حاشیہ میں ان الفاظ میں لکھی ہیں۔

سمجھنے کے لئے صرف اتنا عرض کر سکتا ہوں کہ چھتہ کی مسجد
جہاں سے دارالعلوم کی ابتدا ہوتی ہے حضرت حاجی صاحب مرحوم کی
نشست گاہ یہی مقدس عمارت ہے۔ اس مسجد میں رمضان المبارک
کے چاروں جمعوں میں اب تک میلاد حضرت حاجی صاحب کی یادگار
میں جاری ہے۔ میں نے کیا نکھایا اس اجمال میں نہکتہ سنج اس ساری
تفصیلات کو پڑھ لیں جسے میں نے کم از کم تاریخ نگاری کے تلخ فریضہ
کے قطعاً خلاف سنانے سے پہلو بچایا۔

مولانا انظر شاہ کے ان فرمودات سے روز روشن کی طرح عیاں ہے
کہ حاجی صاحب خوش عقیدہ مسلمان تھے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

سے انہیں والہانہ لگاؤ تھا ان کی یاد میں میلاد شریف کی محافل منعقد کرتے تھے اور بزرگان دین کی نذر و نیاز کرتے تھے۔ گویا کہ اس دور میں حاجی صاحب کا اعتقاد ان تمام چیزوں پر تھا جسے اس دور میں امام اہلسنت مولانا احمد رضا کا عقیدہ کہا جاسکتا ہے انگریزوں کی ساری سازش مسلمانوں کے ایمان کو کمزور کرنے اور ان کے دلوں سے محبت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور عظمت صحابہ و بزرگان دین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کھرچ پھینکنے کی تھی جس کو عملی جامہ پہنانے کا کام دارالعلوم دیوبند کے ذمہ دار علماء اہتمام دے رہے تھے اس لئے حاجی عابد حسین کے نظریات و عقائد سے ان نام نہاد علماء کے نظریات و افکار کا متصادم ہونا فطری امر تھا۔

مولوی محمد قاسم نانوتوی دارالعلوم دیوبند کے پلیٹ فارم سے اشاعت دین حق میں بالکل مخلص نہیں تھے۔ وہ اس لئے نہیں کہ وہ حاجی عابد حسین کے عقائد و نظریات کے مخالف تھے بلکہ اس لئے بھی کہ جو دوران طالب علمی انہوں نے خواب دیکھا تھا اس کی تعبیر معتبر کتابوں میں یہی تھی کہ ان کے ذریعہ دین کو زبردست نقصان پہنچے گا۔ ذیل میں موصوف کا خواب اور تعبیر دونوں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

مولوی قاسم نانوتوی مولوی مملوک علی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے انہوں نے دوران طالب علمی ایک خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر انہوں نے اپنے استاد مولوی مملوک علی جو تعبیر روایا میں درک رکھتے تھے دریافت کی وہ خواب اور تعبیر دونوں کا تذکرہ ”تحریک پاکستان اور علمائے دیوبند“ کے مصنف حافظ محمد اکبر شاہ بخاری نے ان لفظوں میں کیا ہے۔ وہ مولوی محمد قاسم نانوتوی کے فضائل و کمالات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ابتدائی تعلیم کے بعد دہلی میں حضرت مملوک علی صاحب سے تعلیم مکمل کی ایام طالب علمی میں آپ نے ایک خواب دیکھا تھا کہ میں خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں اور مجھ سے نکل کر ہزاروں نہر میں جاری ہو رہی ہیں۔ مولوی قاسم نانوتوی نے اپنے استاد مملوک علی صاحب سے اس خواب کا ذکر کیا انہوں نے فرمایا تم سے علم دین کا فیض بکثرت جاری ہو گا اے علامہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۰ھ) کو تعبیر رویا کا امام تسلیم کیا جاتا ہے۔ تعبیر رویا کے سلسلہ میں ان کی مشہور رمانہ تصنیف ”تعبیر رویا“ کو درجہ استناد حاصل ہے جب میں نے اس خواب کی تعبیر جلتے کے لئے اس کتاب کے مطالعہ کا شرف حاصل کیا تو معلوم ہوا۔

”جس شخص نے یہ خواب دیکھا کہ اس نے کعبہ اپنے پس پشت کیا ہے اور اس کے سقف (چھت) پر نماز پڑھی تو گویا اس نے اسلام کو اپنے پس پشت ڈال دیا ہے۔“

ایک شخص حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ فوق کعبہ (کعبہ کی چھت) پر نماز پڑھتا ہوں یہ سن کر سعید نے کہا ڈر اس (خدا سے) میں دیکھتا ہوں کہ تو دین اسلام سے باہر ہو گیا ہے۔ ۱۷

ارباب علم پر یہ بات گہنی نہیں کہ جب ”کعبہ کی چھت پر نماز“ دین سے دوری کا سبب بن سکتی ہے تو کعبہ کی چھت پر بعض کھڑا ہونا حرم دین بکثرت جاری ہونے کا سبب کیونکر ہو سکتا ہے۔ دارالعلوم

۱۷ تحریک پاکستان اور علامہ دیوبند ص ۱۱

۱۸ تعبیر رویا (خواب نامہ) ص ۱۷

دیوبند کے علماء اور طلبہ کے نظریات و عقائد اور کردار و عمل کو دیکھ کر اگر یہ کہا جائے کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب نے جو خواب دیکھا اور امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے ایک صحابی رسول رضی اللہ عنہ کے حوالے سے جو تعبیر بیان کی اسکی یہ حضرات عملی تصویر میں توبہ جانے ہوگا۔

اشاعت دین حق کے تعلق سے ایک خواب حاجی محمد عابد حسین کے پرورش میاں جی کریم بخش رامپوری نے بھی دیکھا تھا وہ خواب یہ تھا۔

”آسمان پر ایک بہت بڑا ستارہ ہے اس کے گرد اور بہت سے ستارے ہیں بڑا ستارہ ان کی گود میں آگیا ہے۔ میاں جی نے صبح کو مریدین سے فرمایا کہ مجھ سے کوئی ستید بیعت ہوگا۔ متبع سنت ہوگا اس سے لوگوں کو بڑا فیض پہنچے گا اور وہ بہت سے دینی کام انجام دے گا۔ جب میں نے اس خواب کی تعبیر کیلئے ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب تعبیر الروایہ کا مطالعہ کیا تو اس میں واضح لفظوں میں لکھا ہوا ملا۔

”خواب میں ستاروں کا دیکھنا تعبیر میں مراد بزرگ ترین مردم سے ہے۔“

میاں جی کریم بخش کا خواب نقل کرنے کے بعد شیخ الحدیث مولانا زکریا سہارن پوری کے ایک مرید ڈاکٹر بصیر احمد خاں اپنے تحقیقی مقالے میں لکھتے ہیں:

”چنانچہ یہ بشارت پوری ہوئی اور سید عابد حسین کی ذات گرامی سے عوام و خواص کو بہت فیض پہنچا اور انہوں نے مدرسہ دیوبند جو اب دارالعلوم ہے قائم کر کے اور دیوبند کی مسجد تعمیر کر کے زبردست دینی خدمات انجام دیں۔“

حاجی عابد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت مولانا شاہ ابدلوا اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ سے بھی روحانی فیض حاصل تھا۔ قیام مدرسہ کے سلسلے میں حاجی صاحب کو حضرت مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی مکمل سرپرستی حاصل رہی بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ مدرسہ دیوبند حضرت مہاجر مکی کی دعائے سحر گاہی کا نتیجہ تھا تو بے جا نہ ہوگا۔ ان کا روحانی فیضان حاجی عابد حسین کے توسط سے دارالعلوم دیوبند کے قیام میں شامل ہے اس کا اعتراف ہر اس شخص کو ہے جسے ادنیٰ تا مل حاصل ہے برخلاف اس کے بعض مصنفین نے براہ راست حضرت مہاجر مکی کو دارالعلوم دیوبند کا بانی نہکھ دیا ہے۔ صابری سلسلہ کے صنف و حید احمد مسودہ لکھتے ہیں۔

رب العالمین نے انہیں (حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کو) تین نعمتیں عطا فرمائیں ایک یہ کہ ان کے مریدین نامی گرامی علماء ہوئے دوسرے یہ کہ قیام کے لئے بیت اللہ میں جگہ ملی۔ تیسرے یہ کہ دہلی کے مدرسہ رحیمہ کی طرح دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ڈالی۔ ۱۷

سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی دعائیں اس ادارہ کے قیام میں بلاشبہ شامل رہیں اور ان ہی کے ایک خلیفہ حضرت حاجی عابد حسین نے شبانہ روز مساعی اور اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے پیسہ اکٹھا کیا اور اس مدرسہ کی ابتدا فرمائی اور اپنے مرشد کے حکم سے دیوبند میں اقامت پذیر ہو کر اس ادارہ کی تعمیر و ترقی میں سب کچھ لگا دیا۔ ڈاکٹر نصیر احمد خاں لکھتے ہیں۔

مدرسہ کی ابتدائی داستان کا مطالعہ کرنے سے ایک بات صاف معلوم ہو جاتی ہے کہ اس مدرسہ کے قیام میں اس کے بانی اور ہمتبر اول حضرت محمد عابد حسین کی کوششوں اور ان کے اثر و رسوخ اور

ذاتی وجاہت کا کافی دخل رہا ہے۔
 ڈاکٹر موصوف نے ارواحِ ثلاثہ کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت
 حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے دورانِ قیام مکہ یہاں سے مولوی محمد قاسم
 نانوتوی کے ہمنوا علماء وہاں پہنچے تو انہوں نے ازراہ مسرت فخر یہ لب
 و لہجے میں فرمایا۔

”ہم نے دیوبند میں ایک مدرسہ قائم کیا ہے اس کے لئے دعا
 فرمائی جاسے حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا
 سبحان اللہ آپ فرماتے ہیں کہ ہم نے مدرسہ قائم کیا ہے۔ یہ خبر نہیں کہ
 کتنی پیشانیاں اوقاتِ سحر میں سر بسجود ہو کر گڑ گڑاتی رہیں کہ خداوند! ”
 ”ہندوستان میں بقائے اسلام اور تحفظِ علم کا کوئی ذریعہ پیدا کر۔“ یہ ارشاد
 فرمانے کے بعد حاجی صاحب نے یہ حقیقت منکشف فرمائی۔ یہ مدرسہ
 ان ہی سحرگاہی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔

جب مدرسہ قائم ہو گیا اور اس کی اطلاع مہاجر مکی علیہ الرحمہ کو ہوئی
 تو وہ بہت خوش ہوئے مکہ معظمہ سے انہوں نے اپنی اس مسرت کا اظہار
 درج ذیل الفاظ میں کیا جس میں حاجی سید محمد عابد حسین کی بنائے مدرسہ
 کے تعلق سے کافی ستائش کی۔ فرماتے ہیں۔

اجراء سے مدرسہ علمِ دین کے اہل عزیزوں و عزیزم حافظ عابد حسین
 صاحب کی سعی سے کس قدر خوشیاں حاصل ہوئیں کہ بیان میں نہیں آتا
 خدا تعالیٰ اس امر خیر کو ہمیشہ جاری رکھے اور اسکے سعی و باغشوں کو جزائے خیر دے۔

۱۰ اسلامی علوم میں حاجی امداد اللہ کی خدمات و اثرات ص ۹

۱۱ اسلامی علوم میں حاجی امداد اللہ کی خدمات و اثرات ص ۹

۱۲ مرقمات امدادیہ ص ۱۱

جس طرح مہاجر مکی علیہ الرحمۃ والرضوان نے مکہ المکرمہ میں اپنا بسیرا بنایا اسی طرح حاجی سید محمد عابد حسین علیہ الرحمۃ نے حجاز کی مقدس سرزمین مکہ مکرمہ میں بوردو باش اختیار کرنے کی تمنا کا اظہار جب بموقع حج مہاجر مکی سے فرمایا تو انہوں نے حاجی صاحب سے فرمایا کہ ہندوستان میں آپ کی بہت ضرورت ہے۔ وہاں آپ کی مبارک ذات سے علم دین کی نشر و اشاعت ہوگی اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان عام ہوگا۔ چنانچہ حاجی صاحب ہندوستان واپس تشریف لائے اور علم دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشر و اشاعت کے لئے مدرسہ دیوبند قائم کیا اور اس کی اطلاع مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کو ہوئی پھر خوشیوں سے چور اور محبتوں سے بھرپور جو خط حاجی صاحب کو ارسال کیا وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے فرماتے ہیں

”مخلصی مکر میاں حاجی حافظ سید محمد عابد حسین صاحب۔ دام عرفانہ“

سلام علیکم جو در خاطر می گزشتیم دوری بدل حاضری
مکتوب محبت و عقیدت اسلوب آپ کا پہنچا اور حال مفصل اس
کا معلوم ہوا اللہ تعالیٰ تم کو مع اہل و عیال کے خوش اور خرم رکھے اتباع
شریعت اور اپنی رضامندی کامل عنایت کرے۔ آمین
میں نے تو آپ کی خدمت میں پہلے ہی عرض کیا تھا کہ تمہارے حق
میں ہند رہنا اور مدرسہ علم دینی کی سعی اور کوشش کرنی مکہ و مدینہ میں
رہنے سے افضل ہے۔ مگر الحمد للہ کہ وہاں جا کر بھی آپ کو یہی حکم ہوا
سواں تمہارے واسطے یہی مناسب اور بہتر ہے کہ جس میں اللہ اور
رسول کی مرضی پائی جائے وہ کام کرو اور اپنے ارادہ کو اس کی رضامندی
میں فنا کر دو دور نزدیک ظاہری کا کچھ اعتبار نہیں جو اسکی رضا پر ہی نزدیک ہے۔

۱۔ مرقومات ادادہ مکتوب سی و ہشتم ص ۵۷

مولوی محمد قاسم نانوتوی بھی حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے
 خلفاء میں سے تھے کیا انہیں اور ان کے ہمنواؤں کو اس کا علم نہیں تھا
 کہ اس مدرسہ کے قیام میں حضرت حاجی مہاجر مکی کی دعائیں حاجی عابد
 حسین کی جدوجہد میں قدم بہ قدم مشعل راہ رہیں پھر اس کے برخلاف
 اس وقت حاجی عابد حسین کی کاوشوں کو اپنی طرف منسوب کرنے کی
 کیوں کوشش کی گئی اس میں بھی تفصیل ہے جس کا ذکر مختصر سطور بالا میں
 گزر چکا ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی شخصیت علمائے دیوبند کے
 درمیان کم اور علمائے اہل سنت (بریلوی علماء) کے درمیان زیادہ معتبر
 سمجھی جاتی ہے لیکن المیہ یہ ہے کہ اس حقیقت کے باوجود ان کی عظمت
 علمائے دیوبند کے حلقہ سے باہر نہ نکل سکی آج بھی اگر ان کے عقائد و
 نظریات پر مکمل طور سے عمل کر دیا جائے تو بریلوی اور دیوبندی علماء
 کے درمیان اختلاف عقائد کی جو کھائی ہے اسے پامٹنے میں کافی حد تک
 مدد مل سکتی ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ زبانی طور پر علمائے دیوبند انہیں
 سید الطائفہ، شیخ العرب والعجم اور اپنا مذہبی و روحانی پیشوا ضرور
 مانتے ہیں مگر عملی طور پر علمائے دیوبند کے عقائد ان سے متصادم ہیں۔
 ایسا بہت کم دیکھا گیا ہے کہ مرشد کا عقیدہ کچھ اور ہو اور ان کے مرید
 و خلیفہ کا عقیدہ کچھ اور۔ یہ واضح رہے کہ مولوی محمد قاسم نانوتوی اور مولوی
 رشید احمد گنگوہی جن کے مذہبی افکار و خیالات کو مسلک دیوبند کہا جاتا
 ہے سب کے سب حاجی امداد اللہ اور مہاجر مکی کے مرید و خلیفہ تھے۔
 ان دونوں حضرات کا کہنا یہ تھا کہ میں نے حاجی صاحب سے طریقت
 میں بیعت کی ہے شریعت میں نہیں۔ شریعت کے ہم خود امام ہیں اور
 بعض خلفاء ہر اعتبار سے آپ کو اپنا مرشد اور رہنما تسلیم کرتے تھے۔

اگرچہ اس وقت یہ میرا موضوع نہیں لیکن جب بات آگئی ہے تو تھوڑی روشنی ڈالنی ضروری ہے تاکہ راقم المسطر پر دعویٰ بغیر سند کے رہنے کا الزام نہ رکھا جاسکے۔ حاجی صاحب کے خلفاء کے تعلق سے صاحب بری سلسلہ کے مصنف امداد المشاق ص ۲۰ کے حوالے سے حاجی صاحب کا ایک ارشاد نقل کرتے ہیں

”میرے خلفاء دو قسم کے ہیں ایک وہ جنہیں میں لے از خود خلافت دی ہے دوسرے وہ جن کو تبلیغ دین کے لئے انکی درخواست پر اجازت دی ہے۔ جن خلفاء کو از خود خلافت دی ہے انہوں نے پوری طرح حاجی صاحب کی اتباع کی مثلاً مولوی لطف اللہ علی گڑھ (م ۱۳۳۲ھ) مولوی احمد حسن کانبوری (م ۱۳۲۲ھ) مولوی محمد حسین الہ آبادی (م ۱۳۲۲ھ) اور مولوی عبدالسمیع رام پوری (م ۱۳۱۸ھ) جن خلفاء نے حاجی صاحب سے اختلاف کیا ان میں مولوی محمد قاسم نانوتوی (م ۱۳۹۷ھ) مولوی رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۲ھ) اور مولانا اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۲ھ) کے اسمائے گرامی سرفہرست ہیں۔“

مؤخر الذکر علماء نے حاجی امداد اور مہاجر مکی کو مختلف انداز سے یہ عندیہ ہی صرف نہیں دیا بلکہ مولوی رشید احمد گنگوہی نے اپنی زبان میں یہ بھی اعلان کیا کہ

”جس فن کے امام حاجی صاحب ہیں ہم ان کے مقلد ہیں باقی ان فرعیات کے امام ہم ہیں حاجی صاحب کو چاہئے کہ ہم سے بوجھ پوچھ کر عمل کریں اور مولوی قاسم نانوتوی نے فرمایا کہ ہماری معلومات زائد اور حاجی صاحب کا علم زائد ہے اور مولوی اشرف علی تھانوی نے تو اس

اختلاف کو جائز قرار دینے کے لئے اپنی ساری قابلیت صرف کر دی مگر ساتھ ہی ازراہ انصاف یہ بھی تحریر فرمایا کہ بقول شعلے: "تانا باشد چیز کے مردم نگویند چیز حایہ"۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے مذہبی عقائد کے پس منظر میں ان کے خلفاء دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ان کے خلفاء میں ایک گروہ کا عقیدہ وہی تھا جو ان کا تھا اور یہ وہی حضرات تھے جنہیں حاجی صاحب نے از خود خلافت دی تھی اور دوسرا گروہ جس کے سرخیل مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی تھے وہ ان کے عقیدہ سے اختلاف رکھتے تھے اس لئے ان دونوں گروہوں کے درمیان زبردست قلمی جنگ ہوئی مولانا عبد السمیع بیدل رام پوری کی تصنیف "الذارساطعہ" کے جواب میں "براہین قاطعہ" لکھی گئی اور نہ جانے کیا کیا ہوا اس کی تفصیل کتب مناظرہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اپنے خلفاء کو باہم دست و گریباں دیکھ کر جب حاجی صاحب سے ذرا گیا تو انہوں نے رفع فساد کے لئے "وحدت الوجود" اور فیصلہ ہفت مسئلہ کے نام سے دو رسالہ لکھا موعز الذکر میں (۱) مولود شریف (۲) فاسقہ (۳) عرس و سماع (۴) ندائے غیر اللہ (۵) جماعت ثانیہ (۶) امکان نظیر (۷) امکان کذب کے تعلق سے اپنا موقف واضح کیا اور ان مسائل میں ان کے خلفاء کے درمیان جو تنازعہ تھا اس کے تصفیہ کی حتی الامکان کوشش فرمائی ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء میں حاجی صاحب نے اپنا رسالہ ان لوگوں کے پاس بھیجا جو آپ کے مذہبی افکار سے اختلاف رکھتے تھے۔ جب کچھ مہینے گزر گئے تو حاجی صاحب نے اپنے خلیفہ مولانا محمد حسین الزاہوی علیہ الرحمہ کو خط لکھا کہ وہ خط لکھ کر بتائیں ہمارے

لوگوں (بعض خلفاء مولوی محمد قاسم نانوتوی اور مولوی رشید احمد گنگوہی) نے اس رسالے کو کس نظر سے دیکھا اسے پسند کیا یا نہیں۔ کچھ اختلاف دور ہوا یا نہیں؟ مولانا محمد حسین الہ آبادی نے تحقیق کے بعد حاجی صاحب کو جو جواب لکھا اس کا ذکر صابری سلسلہ کے مصنف نے ان لفظوں میں کیا۔

”علمائے دیوبند نے ان رسالوں کو نگاہ غلط انداز سے بھی نہیں دیکھا بلکہ ہفت مسئلہ کو نذر آتش کر دیا۔“

فیصلہ ہفت مسئلہ کو نذر آتش کرنے کی تفصیل خواجہ حسن نظامی ثانی سے سینے اور معاطے کو غیر جانب دار ہو کر سمجھنے کی کوشش کیجئے وہ فرماتے ہیں

”نذر آتش کرنے کی یہ خدمت والدہی حضرت خواجہ حسن نظامی کے سپرد ہوئی جو اس وقت گنگوہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے یہاں زیر تعلیم تھے لیکن خواجہ صاحب نے جملانے سے پہلے اس کو پڑھا اور جب ان کو وہ کتاب اچھی معلوم ہوئی تو انہوں نے استاد کے حکم کی تعمیل میں آدھی کتابیں تو جلا دیں اور آدھی بچا کر رکھ لیں اس کے کچھ عرصہ بعد مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا گنگوہی سے ملنے آئے اور ان سے پوچھا کہ میں نے کچھ کتابیں تقسیم کرنے کے لئے آپ کے پاس بھیجیں ان کا کیا ہوا۔؟ مولانا گنگوہی نے اس کا جواب خاموشی سے دیا۔ لیکن کسی حاضر الوقت نے کہا کہ علی حسن (خواجہ حسن نظامی) کو حکم ہوا تھا کہ انہیں جلا دو مولانا تھانوی نے میاں علی حسن سے پوچھا کہ کیا واقعی تم نے کتابیں جلا دیں انہوں نے جواب دیا کہ استاد کا حکم ملتا

ضروری تھا اس لئے میں نے آدھی کتابیں تو جلا دیں اور آدھی میرے پاس محفوظ ہیں۔ حضرت خواجہ صاحب بیان کرتے تھے کہ مولانا تھانوی اس سے اتنے خوش ہوئے کہ آم کھا رہے تھے فوراً دو آم اٹھا کر مجھے الخام دے دیئے۔ اپنے مرشد کی لکھی ہوئی کتاب پر چہ جائیکہ مرید و خلیفہ غور کرتے دلوں میں بٹھاتے اس پر عمل کرتے مگر ہوا یہ کہ اس کا مطالعہ تو کجا دیکھنا بھی گوارہ نہ کیا اور اسے نذر آتش کرنے ہی میں راحت محسوس کی۔ اس طرز عمل کو دیکھ کر قلم یہ لکھے بغیر نہیں رکنا ہے کہ جو شخص اپنے شیخ اور پیر و مرشد کا نہ ہوا وہ بھلا عام بندگان خدا کا کیا ہوگا۔ اسی لئے وحید احمد مسعود نے واضح لفظوں میں لکھا ہے

” حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف کرنے والے خلفاء کا طرز عمل اسمعیلیہ و مجددیہ سے ملتا جلتا ہے۔ صابری تعلیم و تربیت کی روح ان میں نہیں پائی جاتی :“

آخر میں خلاصہ بحث کے طور پر میں دیوبندی عالم مولانا مناظر احسن گیلانی کا وہ قول نقل کر دینا چاہتا ہوں جسے جناب محمد یونس صاحب نے اپنے مراسلہ میں تحریر کیا ہے : وہ لکھتے ہیں

” مولانا مناظر احسن گیلانی نے اپنے قلم سے حضرت حاجی عابد کو بانی دارالعلوم تحریر کیا۔ قاری طیب صاحب نے اعتراض کیا مولانا مناظر احسن گیلانی نے فرمایا میری تحقیق یہی ہے کہ حضرت حاجی عابد بانی دارالعلوم ہیں اور قلم سے اس کو قلم زد نہیں کروں گا آپ کی مرضی آپ اپنے قلم سے اس کو قلم زد کر دیجئے قاری صاحب نے برہمی کا اظہار فرمایا اور اپنے قلم

سے اس کو قلم زد کر دیا (جس کی لاشی اس کی بھینس) یہ مثال مولانا طیب صاحب نے صحیح کر کے دکھادی۔

حقیقت پر لاکھ پردہ ڈالا جائے مگر کبھی نہ کبھی حق روشن اور آشکار ہو کر رہتا ہے دارالعلوم دیوبند کے اصل بانی حضرت عابد حسین علیہ الرحمہ ہیں۔ حافظ محمد احمد ہاشمی رہے پھر ان کے بیٹے مولانا محمد طیب ہاشمی ہوئے اس وجہ سے دارالعلوم کے بانی ان کے دادا مولانا محمد قاسم نانوتوی بن گئے مگر حقیقت کیا ہے یہ اہل دین و دانش پر مخفی نہیں۔

ان حقائق و شواہد کی روشنی میں علمائے دیوبند کو یہ تسلیم کرنے میں کوئی تردد نہیں ہونا چاہئے کہ حضرت حاجی عابد حسین علیہ الرحمہ دارالعلوم کے بانی نہیں؟ اس حقیقت کو مان لینے کے بعد یہ بحث ہمیشہ کیلئے ختم کر دینی چاہئے لیکن براہِ ہوا و ہوس کا جو ان تحریری امور کے لئے نفس کو براہِ گنجینہ کرتا ہے، اگر واقعی دارالعلوم دیوبند کے فضلاء دارالعلوم دیوبند کے تئیں مخلص ہیں تو حاجی صاحب کی قابلِ تقلید خدمات اور مخلصانہ قربانیوں کے اعتراف میں ایک زبان ہو کر یہ فیصلہ سنا دینا چاہئے کہ دارالعلوم دیوبند کے اصل بانی حاجی عابد حسین صاحب ہی ہیں مگر اس ادارہ کی شہرت کو بامِ عروج پر پہنچانے میں مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب کا کلیدی کردار رہا ہے۔ یہی فیصلہ سچ اور اسی کا ذکر انصاف پسند مورخین و سوانح نگاروں نے اپنی تحریروں میں کیا ہے۔ مگر یہ تلخ حقیقت تسلیم کر لینے کے بعد جو دشواریاں لاحق ہوں گی اس کا ذکر طلسمانی دنیا کے ایڈیٹر حسن الہاشمی فاضل دارالعلوم دیوبند نے ان لفظوں میں کیا ہے :

”حق بات یہ ہے کہ اگر ہم دارالعلوم دیوبند کا بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی کو نہ مانیں تو پھر ہمیں یہ بھی مان لینا چاہئے کہ ہمارے تمام اکابرین اکیادہ باشندہ کذاب

تھے۔ یا کم سے کم کذب بین کو ہنسی خوشی برداشت کرتے تھے یا نہ

ان حقائق کو مان لینے کے بعد فضلاء دیوبند کن دشوار یوں سے دوچار ہوں گے اور پھر اس کا سد باب کس طرح ہوگا یہ تو وہی حضرات اچھی طرح بتا سکتے ہیں۔ راقم تو صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہے کہ بانی دارالعلوم کے تعلق سے جو حقائق و شواہد علمائے دیوبند ہی کی تصانیف اور تحریروں سے مطبوعہ بالا میں ذکر کئے گئے اس کی روشنی میں فضلاء دیوبند کو چاہئے کہ اپنے اکابر کی ان تحریروں کا احترام کریں اور بانی کے تعلق سے سارے اختلافات و دبدبہ کے ایک جٹ ہو کر دارالعلوم کی تعمیر و ترقی میں لگ جائیں اور جس دینی جذبے کے ساتھ حاجی صاحب نے اس ادارہ کی بنیاد رکھی تھی اسی جذبہ کو فروغ دیں اگر ایسا نہیں ہوا اور نفس پرست علماء کے ہاتھوں میں اس کی قیادت رہی تو پھر آٹھ دن اس قسم کی بحثیں اخبار کی سرخیاں بنتی رہیں گی اور سماج ایک عجیب طرح کے انتشار سے دوچار ہوتا رہے گا۔ بڑی اچھی بات یہی ہے دارالعلوم دیوبند کے فاضل جناب حسن الہاشمی صاحب نے :

” اس طرح کی بحثوں سے جو روحانیت تباہ ہو رہی ہے اور انسانیت کا بیڑا غرق ہو رہا ہے اس کی پروا نہ عابد یوں کو ہے نہ قاصد یوں کو اور سمجھ یہ سب ہے کہ ہم تحقیق کا حق ادا کر رہے اور مردوں کے کپڑے پھانک رہے حساب جنت میں داخل ہونے کا کام کر رہے ہیں۔ ان دیوبندیوں سے تو وہ بریلوی اچھے جن کے یہاں مولانا احمد رضا خان صاحب کے نام پر تو کوئی اختلاف نہیں۔ یہاں تو سو سو سال میں آج تک یہی مقدمہ حل نہ ہو سکا کہ اس مسئلہ کا بانی کون تھا؟ جو لوگ اپنے بزرگوں کے درمیان انصاف نہ کر سکے ان سے یہ امید کیسے کی جاسکتی ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کے بارے میں عدل کی پالیسی اپنائیں گے ؟“

بانی دَارِ الْعُلُومِ دِیَوْبَنْدُ



مُعْتَرِضَيْنِ



مُعْتَرِفَيْنِ

بانی دارالعلوم اور معتز ضیہ

دارالعلوم دیوبند کے بانی کے تعلق سے جب راقم کی تحقیقی قسط اول ۱۳۱۲ شمسی قومی آواز کے خصوصی کالم میں شائع ہوئی تو حلقہ دیوبندیت میں کبرام مچ گیا اور وہ اس لئے کہ اس مقالے میں حقیقت کو بالکل بے نقاب کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ چنانچہ جیسے ہی یہ مقالہ شائع ہوا اور راقم کی یہ تحقیق سامنے آئی کہ:

● دارالعلوم دیوبند کے اصل بانی حاجی سید محمد عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

● وہ خوش عقیدہ مسلمان تھے۔

● عشق رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے رگ و پے میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

● اولیاء اللہ اور مقررین ہارگاہ الہی سے انہیں والہانہ لگاؤ تھا۔

● بزرگان دین کے مزارات پر حاضری نذر و نیاز ان کی زندگی کا عام معمول تھا۔

● وہ میلاد و فاطمہ کو صرف جائز ہی نہیں سمجھتے تھے بلکہ ہر سفتہ پابندی کے ساتھ زر کثیر خرچ کر کے اس کا اہتمام بھی کرتے تھے۔

● چونکہ مسلک دیوبند میں نذر و نیاز میلاد و فاطمہ بدعت و ناجائز ہے اور حاجی صاحب کا ان تمام امور پر عمل تھا اس لئے ان کا نام پردہ غمول میں ڈال دیا گیا۔

تو انصاف پسند قارئین نے اس تحقیق کا خیر مقدم کیا اور راقم السلطو کی ستائش کی لیکن مسلک دیوبند سے وابستہ بیشتر افراد آگ بگولہ ہو گئے اور اپنے اس غم و غصے کا اظہار قومی آواز دہلی کے مراسلات کالم سے

شروع کر دیا۔ عبدالحمید لغمانی نانظم نشر و اشاعت جمعیت علمائے ہند بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی نے بھی میرے تحقیقی مقالہ کی تردید میں ایک مراسلہ تحریر کیا جو قومی آواز دہلی ۲۸ جنوری ۱۹۹۹ء کی اشاعت میں ”بانی کون“ کے عنوان سے مراسلات کے کالم میں شائع ہوا اسے ذیل میں مکمل اجینہ نقل کیا جا رہا ہے:

”کچھ دنوں سے مقرر روزنامہ قومی آواز میں دارالعلوم دیوبند کا اصل بانی کون، بکے موضوع پر مراسلے اور مضمون اشاعت پذیر ہو رہے ہیں جس آدمی نے اس بحث کا آغاز کیا تھا اسے ذوق دارالعلوم دیوبند کی تاریخ سے صحیح واقفیت ہے نہ ہی ڈھنگ کی عربی زبان سے۔ اس نے محض بغض معاویہ میں دارالعلوم کے موجودہ انتظامیہ کے خلاف بخارا انداز کے لئے ایک مراسلہ تحریر کر دیا بغیر کسی مضبوط دلیل و بنیاد کے۔

دارالعلوم دیوبند کے بانی کے تعلق سے حضرت حاجی عابد حسین کو جس قدر اہمیت دینی چاہئے تھی، نہیں دی گئی۔ جب حضرت قاری طیب صاحب کی آخری عمر میں اہتمام کو لے کر تفسیر شروع ہوا تو موجودہ انتظامیہ نے حضرت حاجی صاحب کے نام کو بڑی حد تک مٹایا کیا جو بالکل ایک حقیقت ہے۔ دیوبند میں حضرت حاجی صاحب کے گنگے پوتے سید شاداب ہمارے ہم درس تھے۔ ان کے پاس بہت سے پرانے کاغذات ہیں جن سے صاف ظہر پر معلوم ہوتا ہے کہ قیام دارالعلوم کے اول محرک و مجوز حضرت حاجی صاحب ہی تھے، البتہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی سمیت دوسرے اکابر سے صلاح و مشورہ کیا جاتا رہا تھا۔ دارالعلوم دیوبند کو دارالعلوم بنانے میں اصل کردار اور نمکری رہنمائی اور اصول سازی وغیرہ کا کام حضرت نانوتوی نے انجام دیا ہے۔ دارالعلوم کے آٹھ اصول حضرت نانوتوی کے ہی بنائے ہوئے ہیں۔ اس لئے آپ

کی شخصیت بھی کوئی کم اہم نہیں ہے۔ اس کے پیش نظر اگر دیوبند کے فضلہ اپنے نام کے ساتھ قاسمی لکھتے ہیں تو کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔ البتہ یہ بات میں کہہ سکتا ہوں کہ قاسمی لکھنے کی بات بعد میں رائج ہوئی ہے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، علامہ انور شاہ کشمیری، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی اور دیگر قدیم فضلہ دیوبند کے نام کے ساتھ ہمیں قاسمی لکھا نہیں ملتا ہے۔ قاسمی لکھنے کی بات غالباً حضرت قاری طیب صاحب کے دواہتمام سے شروع ہوئی ہے۔ حضرت حاجی عابد حسین کے اول محرک و مجوز ہونے کی بات۔ سوانح قاسمی "از مولانا مناظر احسن گیلانی" اور مولانا ندیر احمد دیوبندی کی کتاب "تذکرۃ العابدین" اور دیگر تحریریں میں موجود ہے۔ مولانا گیلانی نے دیوبند کی مجلس شوریٰ میں باقاعدہ یہ شکایت کی تھی کہ ہماری تحریر میں رد و بدل کیا گیا ہے۔ یہ بات اس وقت کے ارکان شوریٰ دارالعلوم کے نام جو دعوت نامہ بھیجا گیا تھا اس کے بعد دے میں باقاعدہ تحریر ہے۔ اس کے باوجود تاریخی طور پر اتنا کچھ موجود ہے کہ حاجی عابد حسین کی شخصیت و اہمیت کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں ہے۔

لیکن ڈاکٹر غلام محیٰ انجم کا یہ کہنا حضرت حاجی عابد حسین کے عقائد و نظریات دیوبندی مکتب فکر سے متصادم تھے اور ان کا عقیدہ وہی تھا جس کے علمبردار اس زمانہ میں مولانا احمد رضا خاں قادری اور ان کے خلفاء و متبعین کا ہے (قومی آواز ۲۱ دسمبر ۱۹۹۹ء) بالکل خلاف واقعہ اور بحث کو غلط رخ دینے کی سعی نامشکوہ ہے۔

مثلاً مولانا احمد رضا خاں اور ان کے شدت پسند خلفاء و متبعین اپنے ماسواہتمام مکاتیب فکر والوں کی تکفیر کرتے ہیں اور ان کی مساجد

کو گھر کی طرح سمجھتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ کفار کے گھر کے مثل سمجھتے ہیں۔
 تفصیلات احکام شریعت، عرفان شریعت، حسام المؤمنین اور المفلوخذ
 از مولانا احمد رضا خاں دیکھیے۔

قبروں پر اذان دینے کے قائل ہیں جو کہ بدعت ہے اور ابھی بہت
 سے مسائل ہیں جن کے بارے میں یہ بالکل ثابت نہیں ہے کہ حضرت
 عابد حسینؑ، مولانا قاسم نانوتویؒ یا مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے نقطہ
 نظر کے خلاف، مولانا احمد رضا خاں کے مسلک کے حامی تھے۔ اور یہ
 بھی کہ جس وقت دارالعلوم دیوبند قائم ہوا تھا اس وقت تو مولانا احمد
 رضا خاں دس گیارہ سال کے بچے تھے۔ لہذا ان کے مسلک سے حاجی صاحب
 کو کیا اپنا دینا ہو سکتا ہے۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ حاجی صاحب کو مولانا گنگوہی
 و مولانا نانوتویؒ کی کسی بات سے قدرے اختلاف ہو لیکن مولانا احمد رضا
 خاں کے نظریہ کی حمایت و موافقت کی بات بالکل غلط ہے۔

جناب مولانا عبدالحمید نعمانی کے خط کا جواب دینے کی تیاری چل ہی
 رہی تھی کہ حلقہ دیوبندیت کی مشہور شخصیت مولانا اخلاق حسین قاسمی کا بھی
 ایک مراسلہ ۴ جنوری ۱۹۹۹ء کو میرے تحقیقی مقالے کی تردید میں بانی دارالعلوم
 اور نقاد بیانیہ کے عنوان سے قومی آواز دہلی میں شائع ہو گیا۔ اس خط
 میں موصوف نے میری جن باتوں پر گرفت کی ہے اسے پڑھ کر مولانا کے
 مبلغ علم کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے موصوف کا خط بعینہ ذیل میں بغیر کسی
 حذف و اضافہ کے شائع کیا جا رہا ہے،

”غلام یحییٰ صاحب نے بانی دارالعلوم کے قضیہ میں بڑا مدلل مضمون
 تحریر کیا ہے اور تاریخی حوالوں سے اپنا مدعا ثابت کیا ہے لیکن ان کے
 اس تاریخی بیان میں کھلا نقاد اور مخالف اس وقت سامنے آتا ہے
 جب وہ یہ لکھتے ہیں کہ حاجی عابد حسین کے وہی عقائد تھے جو اعلیٰ حضرت

بریلوی کے تھے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ دارالعلوم کی بنیاد ۱۲۹۹ھ میں قائم کی گئی اور ۱۳۵۲ھ میں اعلیٰ حضرت بریلوی کی پیدائش ہوئی۔ دارالعلوم کے قیام کے وقت مولانا بریلوی کی عمر دس سال کی تھی، اور مولانا بریلوی کے سوانح نگار و اہل عقیدت یہ لکھتے ہیں کہ مرحوم بچپن ہی میں اپنے علم و فضل کی شہرت و عظمت ہندوستان کے کونہ کونہ میں پہنچا چکے تھے۔ علاوہ مولانا بریلوی کے ان کے استاد اور والد مولانا مفتی علی خاں کی علمی شہرت کا آفتاب بلند تھا۔ پھر حاجی صاحب نے اپنے اس عظیم کام میں اپنے ہم خیال بریلوی اور رام پوری علماء و صوفیاء کو شرکت کی دعوت کیوں نہیں دی؟

حاجی صاحب نے مولانا محمد قاسم نانوتوی کو میرٹھ لکھا کہ آپ دارالعلوم دیوبند میں پڑھانے کے لئے تشریف لائیے اور مولانا نے اپنی جگہ مولوی طاہر محمود کو بھیجا۔ حاجی صاحب نے جو مجلس شورا قائم کی اس میں مولانا محمد قاسم مولانا فضل الرحمن اور مولانا ذوالفقار علی زوالہ حضرت شیخ الہند شامل کئے گئے اور یہ تمام حضرات شاہ محمد اسحاق صاحب نیرو شاہ عبدالعزیز کے اصلاحی تقورات پر قائم تھے اور سنت نبوی کی اتباع میں حضرت مجدد الف ثانی کے نظریہ اہل محمدنات کے داعی تھے۔

حاجی صاحب نے مولانا محمد یعقوب صاحب دیوبندی کو بریلی سے بلا کر دارالعلوم کا صدر مدرس مقرر کیا اور جب حاجی صاحب نے مدرسہ کے انصرام سے علیمہ کی اختیار کی تو مولانا رفیع الدین صاحب کو ہتمم مقرر کیا گید۔ مولانا رفیع الدین کے ہجرت کر جانے کے بعد دوبارہ حاجی صاحب کو زحمت دی گئی اور آپ کے اہتمام کا اعلان کیا گیا اس اعلان پر مولانا رشید احمد گنگوہی کا اسم گرامی درج تھا۔ یہ تمام طلبہ بریلوی اور رام پوری نظریات سے مختلف نظریات رکھتے تھے۔ بلاشبہ دارالعلوم دیوبند کی عمارت کی بنیاد

اور پھر اس کی ترقی کے سلسلہ میں حاجی صاحب کو بانی ہونے کا شرف حاصل ہے لیکن دارالعلوم کے تعلیمی اور تربیتی نظام کو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی اصلاحی اور انقلابی تعلیمات کا مرکز بنانے اور دارالعلوم کو امت کی اصلاحی جدوجہد کی سمت پر ڈالنے کا عظیم کام مولانا نانوتوی اور مولانا گھوڑی کے ذریعہ انجام پایا۔

حاجی صاحب ایک صوفی دور ویش تھے اور مولانا قاسم صاحب علم و قلمداشت رسول کا مقام رکھتے تھے اور آپ کی شخصیت جامع کالات و محاسن تھی اس لئے دارالعلوم کے فیض یافتہ اپنے نام کے ساتھ قاسمی کی نسبت لکھتے ہیں؟

حلقہ دیوبندیت کی ان دو محترم شخصیات کے مراسلہ کے جواب میں جو میرا خط قومی آواز دہلی کے مراسلات کے کالم میں ”بانی دارالعلوم دیوبند“ کے عنوان سے شائع ہوا وہ بجائے خود انتہائی اہم تھا اس مراسلہ سے مسلک دیوبند کی پوری حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے

بانی دارالعلوم اور معترضین

”بانی دارالعلوم حاجی عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ کے تعلق سے قومی آواز دہلوی حلقہ کے شمارہ میں جناب عبدالحمید نعمانی اور بھیرہ جندری کی اشاعت میں مولانا اخلاق حسین قاسمی کا مراسلہ میرے مقالہ ”دارالعلوم دیوبند کا اصل بانی کون؟“ کے اس جملہ کی تردید میں شائع ہوا جس میں میں نے لکھا تھا کہ حاجی عابد حسین کا عقیدہ اُس دور میں وہی تھا جس کے علبردار اس زمانہ میں امام اہلسنت مولانا احمد رضا قادری رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء اور متبعین ہیں اس بات کو میں نے اسی مقالہ میں دوسری جگہ ان افکاروں میں بھی لکھا تھا۔ اُس دور میں حاجی صاحب کا اعتقاد ان تمام چیزوں پر تھا جسے اس دور

میں مولانا احمد رضا قادری کا عقیدہ کہا جاسکتا ہے۔ یہ واضح رہے کہ عقیدہ کے تعلق سے یہ باتیں مولود و فاتحہ کے تناظر میں کہی گئی تھیں۔ مگر نہ جانے ان مجلوں نے کیا قیامت ڈھادی کہ اس کے برخلاف مراسلے شائع ہو گئے حالانکہ یہ واقعہ ہے کہ حاجی عابد حسین صاحب کا دل محبت رسول کا دینہ تھا ان کے یہاں ہر سرفتہ مولود و شریف کی مجلس منعقد ہوتی تھی وہ نیاز و فاتحہ کا بھی اہتمام کرتے تھے۔ کیا اس زمانہ میں امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ کے عقیدت مندوں کا یہی عقیدہ نہیں ہے کیا وہ میلاد شریف اور نیاز و فاتحہ کی محفلیں نہیں منعقد کرتے ہیں؟ اگر ایسا ہے اور فی الواقع ایسا ہی ہے تو جناب عبدالحمید صاحب کو اس جملے پر چراغ پا ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ خدا را انصاف سے بتائیے کیا مسلک دیوبند کے بانی مولوی رشید احمد گنگوہی نے فتاویٰ رشیدیہ ج ۲ میں نیاز و فاتحہ کو ناجائز و بدعت مثلاً اور مولود و شریف کی محافل کو ناجائز نہیں لکھا ہے؟ اور براہین قاطعہ میں مولود و شریف کو کنہی کی جنم کی طرح نہیں بتایا گیا ہے؟ تو کیا یہی حاجی عابد حسین کا عقیدہ تھا؟ اگر تھا تو پھر اس کا اہتمام کر کے مرتکب گناہ کیوں ہوتے تھے؟

واضح رہے کہ مسلک دیوبند چودھویں صدی کی پیداوار ہے۔ مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی محمد قاسم نانوتوی صاحبان سے پہلے کسی مسلک شخصیت سے اس مسلک کا کوئی تعلق نہیں تھا اس کا اعتراف دارالعلوم دیوبند کے استاد افسیر مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیری کو ہے اپنے مضمون ”مسلک دیوبند کیا ہے“ میں کیا ہے وہ دیکھتے ہیں:

”اکابر دیوبند جن کی ابتدا میرے خیال میں سیدنا الامام مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور فقیہ اکبر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے ہے۔ اس لئے یہ دیوبندیت کی ابتداء حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے کرنے

کے بھائے مذکورہ بالا دو عظیم عناؤں سے کرتا ہوں: (ابلاغ کلی فی شفاہۃ الجہتین)
اس کے علاوہ یہ بھی حق ہے کہ حاجی عابد حسین صاحب کا جو عقیدہ تھا
اگر وہی عقیدہ تمام اکابر دیوبند کا تھا تو ان اکابر نے اپنے پیرو مرشد حضرت
مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے عقائد و نظریات پر مشتمل کتاب "فیصلہ ہفت مسئلہ"
کو کیوں نذر آتش کر دیا تھا؟ معلوم ہوا کہ حاجی عابد صاحب کے عقائد
و نظریات مسلک دیوبند سے متصادم تھے۔

ہمارے معترضین نے جو یہ لکھا ہے کہ مولانا احمد رضا اس وقت
دس گیارہ سال کے تھے حاجی صاحب کو ان کے عقیدے سے کیا لینا
دینا تھا تو اگر یہ حضرات حق و صداقت کا عینک لگا کر میرے مقالے کا
مطالعہ کرتے تو شاید اس قسم کی غلط فہمی پیدا نہ ہوتی۔ میں نے تو یہ لکھا
تھا حاجی صاحب کا جو عقیدہ اُس دور میں تھا وہی عقیدہ اُس دور
میں مولانا احمد رضا قادری رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء اور متبعین کا ہے؟
اس جملہ میں کیا قباحت ہے؟ ہم عقیدہ ہونے کے لئے کیا زمان و
مکان کی قید لازمی ہے؟ اگر ایسا نہیں تو پھر یہ اعتراض بے جا کیوں؟

مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ مولانا تقویٰ
اور مولانا گنگوہی نے دارالعلوم کو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی
اصلاحی اور انقلابی تعلیمات کا مرکز بنانے کا کام کیا تو یہ بات کیسے تسلیم
کر لی جائے کیونکہ اسی دارالعلوم کے استاذ مولانا انظر شاہ اس کی تردید
کرتے ہیں ان کے خیال میں ان دونوں حضرات کے افکار و نظریات کا
تعلق شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے ہی نہیں (حوالہ سلوڈ بالا)
میں گزر چکا ہے) جہاں تک رہی بات برہنہ اور رام پور سے کسی عالم دین
کو بلانے کی تو اس سلسلے میں صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جس نقض و
کے در آنے کی بنیاد پر حاجی عابد صاحب دارالعلوم سے جدا ہوئے تھے

اگر اس کا علم حاجی صاحب کو پہلے سے ہوتا تو وہ ہرگز مولانا قاسم نانوتوی کو میرٹھ سے نہیں بلا سکتے جو کہ حاجی صاحب درویش صفت انسان تھے اور اس وقت تمام خوش عقیدہ مسلمانان ہند کا ایک ہی عقیدہ اور نظر یہ تھا اس لئے قریب کے علماء کو نظر انداز کر کے بریلی اور رام پور سے کسی عالم کو بلانے کی ضرورت نہیں محسوس ہوئی۔ سارا اختلاف تو اس وقت پیدا ہوا جب دیوبند کے نام سے ایک نیا مسلک وجود میں آگیا اور اس کی اشاعت کے لئے دارالعلوم دیوبند کا سہارا لیا جانے لگا۔ مولانا انظر شاہ نے بھی کہا ہے۔

”اتنا ضرور عرض کروں گا کہ جو دیوبند حضرت حاجی عابد حسین المغفور کی زیر تربیت بن رہا تھا وہ یقیناً اس دیوبند سے مختلف ہوتا۔“
(ابلاغ کراچی ص ۷۷ ذوالحجہ ۱۳۵۷ھ)

ذکر غلام جہاں بیگم

میرا تفصیلی مکتوب چھپنے ہی کچھ قاسمی حضرات چراغ پا ہو گئے جن کے مراسلہ کے جواب میں میں نے اپنا مراسلہ شائع کیا تھا ان میں تو بعض نے خاموشی اختیار کر لی لیکن پھر اور دوسرے مدعی علم و فن اور دارالعلوم دیوبند کے آغوش کے پہلے ہوئے دوسرے چہرے سامنے آ گئے۔ حقانی القاسمی ایف ۸۲، جواہر پارک، دلیٹ لکشنی نگر دہلی ۹۲، کا جو خط ۷ جنوری ۱۹۷۱ء کے قومی آواز دہلی کے شمارہ میں شائع ہوا وہ مہذب دشنام طرازی کا منظر تھا۔ موصوف لکھتے ہیں:

”دیوبند کے طالب علموں میں سے کسی ایک نے بانی دارالعلوم کون؟ کے عنوان سے قومی آواز میں مراسلہ کیا لکھا کہ دیوبند و بیرون دیوبند

کے سارے ختاس اس بے چارے پر پل پڑے اور ملاؤں کے عمامہ میں پر مسئلہ یوں الجھ گیا کہ سمجھ میں نہیں آتا پس پردہ حقیقت کیا ہے۔ ہم تو اب تک جمتہ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی علیہ الرحمہ کو ہی دیوبند کا بانی سمجھتے آئے ہیں اور مستقبل میں بھی یہی ارادہ ہے کیونکہ دیوبند کسی سنگ و خشت کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک فکر اور تحریک سے عبارت ہے اور دیوبند کے فکری نظام کی تشکیل میں مولانا قاسم نانوتوی کے اہم کردار سے بھلا کون انکار کر سکتا ہے اور شاید اس نئے علام المینوب نے بھی اس نام کو اتنی شہرت برکت اور مقبولیت عطا کی کہ دیوبند کا لازماً اپنے نام کے ساتھ قاسم کا لاحقہ لگا کر خود کو مفتخر سمجھتا ہے جس میں میری طرح کے گزگار بھی شامل ہیں۔

سوچئے تو حقیقت میں یہ کوئی مسئلہ نہیں بلکہ ایک سازش ہے جس سے دیوبند کے تصنیف نامہ میں سے باخبر حضرات بخوبی واقف ہیں جن میں مکملہ کے بعد سے ہر نووارد دیوبند کے ذہن میں یہ بات بھانے کی کوشش کرنا کہ دیوبند کے اصل بانی حاجی عابد علی مرحوم ہیں کیا یہ انکار نہیں کرتا کہ اصل خاندانی رقابت کا نتیجہ ہے دیوبند میں ان دنوں منافقت کا دور دورہ ہے اللہ تعالیٰ ملت اسلامیہ کو اس شرارتوں سے محفوظ رکھے۔

حقانی القاسمی نے ان تمام حضرات کو جنہوں نے اپنی تحقیق امتی سے قارئین عمومی آواز کے سامنے انکشاف حق کا اہم کارنامہ انجام دیا۔ انہیں حقانی القاسمی بوکھلاہٹ میں ختاس نکھ گئے۔ ختاس عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی شیطان مردود، سرکش دیو، دوسرا ڈالنے اور ہسکا نے دالے کے ہیں۔

حقانی صاحب کی اس مہذب گانی کا مخاطب براہ راست میں نہیں تھا اس لئے میں نے ان کے خط کے جواب دینے کو ضروری نہیں سمجھا لیکن ظاہر ہے کہ اگر میں خاموش ہو جاؤں تو کیا حاجی صاحب کے خاندانہ کے افراد اور ان کے متبعین بھی خاموش رہیں گے؟ ہرگز ایسا نہیں چنانچہ سید اسعد حسین عابدی نبیرہ الحاج سید محمد عابد حسین صاحب محلہ ضیاء الحق دیوبند نے حقانی القاسمی کے مراسلہ کا سنت فوش لیا اور قومی آواز دہلی کے اسی مراسلات کے کالم میں ”دارالعلوم کا بانی کون؟“ کے عنوان سے انھوں نے اپنے مراسلہ میں لکھا:

”پچھلے دنوں قومی آواز میں حقانی صاحب کا مراسلہ شائع ہوا۔ مراسلہ نگار زبانی جمع خرچ سے کام لیتے ہوئے زجانے جوش میں کیا کیا لکھ گئے کہ اپنا ذہنی توازن ہی کھو بیٹھے!

حقانی صاحب! تاریخ دارالعلوم کی روائی کوئی خاندانی روائی نہیں ہے بلکہ یہ تاریخی و نظریاتی روائی ہے۔ مولانا ذوالفقار علی صاحب، مولانا فضل الرحمن صاحب، مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب و غیرہ کوئی الحاج سید محمد عابد حسین صاحب بانی دارالعلوم دیوبند کے خاندان کے بزرگ نہیں تھے بلکہ یہ قیام دارالعلوم کے چشم دید گواہ ہیں ان بزرگوں نے قطب عالم حاجی سید محمد عابد صاحب کو بانی قرار دیا ہے۔ شاید آپ نے سید افتخار حسین صاحب کا مراسلہ (۲۳ دسمبر ۱۳۷۷ء) غور سے نہیں پڑھایا آپ نے کبھی تاریخ دارالعلوم کا ڈھنگ سے مطالعہ نہیں کیا وہ نہ آپ کی تمام شکایات رفع ہو جاتیں۔

اگر کسی کے پاس حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی کے بانی ہونے کے مضبوط ثبوت و دلائل ہیں تو وہ ان کو عوام کی عدالت میں پیش کریں۔ تنہا آپ کے بانی سمجھنے سے کام نہیں چلتا۔ ترقی دینے سے کوئی بانی نہیں

ہوتا۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دارالعلوم کے پچاس پچپن سال ہجرت رہے اور انہوں نے سب سے زیادہ دارالعلوم کو ترقی دی تو پھر حضرت قاری طیب صاحب کو دارالعلوم کا باقی ہونا چاہئے پورا تو وہی ہے جسے الحاج سید محمد عابد صاحب نے لگایا اور تیس سال تک پرورش کی اور تناور درخت بنایا اور جب تلک ہمت ختم ہو گئی نفسانیت بڑھ گئی تو مدرسہ سے کنارہ کش ہو گئے۔

سید افتخار حسین صاحب نے بھی اپنے مراسلہ میں یہ سوال اٹھایا تھا کہ کیا حضرت مولانا قاسم نانوتوی جیسے سے پہلے بانی نہیں تھے کیوں مذکورہ بالا بزرگوں نے حاجی صاحب کو بانی قرار دیا بعد میں کیوں تاریخ بدل گئی؟ اب اس کے بعد ہندو صحری کا کوئی علاج نہیں ہے یہ سہ

بنائے دارالعلوم کے تعلق سے جتنے مراسلے میرے تحقیقی مضمون کی تردید میں آئے اس میں اکابر کے مراسلے کم اصغر کے زیادہ تھے اس لئے بعض دارالعلوم دیوبند کے وفاداروں کو ناگوار لگا کہ یہ ایسا موقع تھا اس میں دارالعلوم کے ذمہ دار افراد کو خصوصی توجہ سے کام لے کر بانی دارالعلوم مولانا محمد قاسم نانوتوی کے تعلق سے اس قضیہ کو ہمیشہ کے لئے رفع کر دینا چاہئے تھا مگر ہوا یہ کہ موجودہ اکابر علمائے دیوبند میں صرف مولانا اخلاق قاسمی ہی سامنے آئے وہ بھی ایک مراسلہ میں ہی خاموش ہو گئے۔

اس لئے جناب ابن اقبال قاسمی صاحب نے دارالعلوم دیوبند کے ذمہ داروں کو لٹکارتے ہوئے اپنے افسوس کا اظہار کیا اور ذمہ داران دارالعلوم دیوبند کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا کہ افسوس تو دارالعلوم کی موجودہ انتظام پر ہے جس نے صاحب مضمون (غلام بھٹی انجم) کی تردید میں کوئی ذمہ دارانہ

وضاحتی بیان نہیں دیا۔ انھوں نے اپنے مراسلہ کا عنوان ”مجرمانہ خاموشی“ رکھا اور ۷ مارچ ۱۹۷۱ء کو قومی آواز دہلی کے مراسلہ کالم میں شائع کرایا انھوں نے میرے تحقیقی مضمون کو نشانہ بناتے ہوئے تحریر کیا۔

”قومی آواز کی گزشتہ دو ماہ کی مختلف اشاعتوں میں بارہ دارالعلوم کے مسئلہ پر کئی مراسلے اور ایک قدرے تفصیلی مضمون نظر ثواب ہوا۔ یہ مسئلہ کوئی نیا نہیں ہے بلکہ عرصہ دراز سے اس سیاسی مسئلہ پر گفتگو کبھی نرم اور کبھی گرم انداز میں ہوتی رہی، حالانکہ جہاں تک اخلاص اور تلخیص کا معاملہ ہے تو اس کے بانیان میں سے کسی کی بھی نیت یہ نہیں رہی ہوگی کہ اس کا نام بانیان کی فہرست میں آئے اور باقی ناموں کو فراموش کر دیا جائے۔ سردست بحث کی ابتدا ایک ایسے مراسلہ سے ہوئی جو کافی حد تک مبنی براخلاص تھا اس کے بعد کچھ نے اپنے اپنے مخالفین کو بغض و کینہ کا نشانہ بنانا شروع کیا تو کسی نے اس کی آڑ لے کر اپنی سنگ نظری کا ثبوت دیتے ہوئے دل کے پھپھولے پھوڑنے شروع کر دیئے اور نوبت ہاں جا رسید کہ دیوبندی فکر سے متصادم ایک مضمون نگار نے موقع غیبت سمجھتے ہوئے دارالعلوم کی بنائے کے معاملے کو دیوبندیت اور بریلویت کے دام میں الجھانے کی مذموم کوشش کی لیکن نہ تو وہ اپنی بات کسی مناسب انداز سے کہہ پائے اور نہ ہی اس مقصد کو مخفی رکھ پائے جس کی وجہ سے انہوں نے اس مضمون پر اپنی دماغی قوتیں صرف کیں۔

بہر حال انہیں تو یہ کرنا ہی چاہئے تھا کیونکہ انہیں اس سے بہتر موقع کیا مل سکتا تھا افسوس تو دارالعلوم کی موجودہ انتظام پرچہ جس نے اسے تک اپنے طور پر صاحب مضمون کی تردید میں کوئی ذمہ دار ازواجتی بیان نہیں دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے بانی حاجی عبدالصمد دراصل دیوبندی ہوں یا مولانا محمد قاسم نانوتویؒ دونوں ہی اس مکتب فکر

یا اس نظریے سے کوسوں دور تھے۔ حاجی عابد حسین صاحب دہلوی
صفت صوفی منش تھے تو مولانا محمد قاسم نانوتوی علم و عمل کے پیکر، اور
ان دونوں کی یکسانیت ہی مسلک دیوبند کے اعتدال کی دلیل ہے۔
مسلک دیوبند میں تصوف کی مخالفت نہیں ہے البتہ اس بہرہ پئے پن
کے وہ ہمیشہ مخالف رہے ہیں جس کی ترجمانی - غلام صاحب نے کی ہے۔
ابن اقبال قاسمی، رہبر باغ علی گڑھ

دارالعلوم دیوبند کے اصل بانی حاجی عابد حسین صاحب ہی تھے
یہ اتنی واضح حقیقت ہے جس کا انکار کوئی گور باطن ہی کر سکتا ہے بعد
کے بعض ذمہ دار علماء نے بھی اس حقیقت کا کھلے دل سے اعتراف
کیا ہے۔ اس حقیقت پسندی کی طرف اشارہ یونس صاحب نے
۱۶ دسمبر ۱۹۹۹ء قومی آواز کی اشاعت میں کیا دارالعلوم دیوبند کے تعلق
سے جناب زبیری چھوٹی بارہ درمی بلیماوان دہلی نے واضح طور پر لکھا
ہے کہ دارالعلوم سے ٹھہرت ختم ہو چکی ہے اس لئے - سارے مسائل اٹھ
کھڑے ہوئے ہیں انھوں نے اپنے مراسلہ میں مولانا مناظر احسن گیلانی کی
تحقیق کو دہراتے ہوئے پھر لکھا ہے،

” شیخ الاسلام مولانا حسین احمد اودشیخ الادب والفقہ مولانا اعجاز علی
حیات تھے میں زیر تعلیم تھا مولانا مناظر احسن گیلانی کے سپرد تحقیق کی
گئی تھی (بانی دارالعلوم کون) مولانا مناظر احسن گیلانی نے جب حاجی
عابد کو بانی دارالعلوم تحریر کیا تو مولانا طیب نے برہمی کا اظہار فرمایا مولانا
مناظر احسن گیلانی نے فرمایا کہ میری تحقیق یہی ہے میں اپنے قلم سے قلم زد
نہیں کروں گا۔ آپ اپنے قلم سے قلم زد کر دیجئے۔ مولانا طیب نے
قلم زد کر دیا۔ یہ حقیقت ہے سرنا محمد کو بھی ہے خدا کے سامنے جوابدہ

ہونا ہے میں بھی غلط تحریر نہیں کر رہا ہوں۔

دارالعلوم کی روح شیخ الادب اور شیخ الاسلام تھے دونوں اللہ کو پیارے ہو گئے بلہیت دارالعلوم سے ختم ہو چکی ہے۔ ارشد مہدی شیخ الادب

اور اسعد مہدی شیخ الاسلام بننا چاہتے ہیں ۷

گرچہ رکھ لی ہے سید نے دائرہ میں کی سی مگر وہ بات کہاں ہو لوسی مدین کی سی لے
جیسا کہ سطور بالا میں عرض کیا جا چکا ہے کہ میرا یہ تحقیقی مقالہ ہر اس شخص
کی نظروں میں کھٹکتا تھا جس کا ادنیٰ سا بھی تعلق مسلک دلیو بند سے تھا۔ اس
لئے ہر شخص میرے اس تحقیقی مقالہ کا جواب دینا اپنے لئے فرض کفایہ سے کم
نہ سمجھتا تھا چنانچہ دارالعلوم کے فارغین میں سے ایں قدر و آں قدر سب
نے اپنے شعلہ صفت جذبات کا جس انداز سے اظہار کیا اور اپنے اکابر
کی سنت کی پاسداری کرتے ہوئے جوں جوں دلجو استعمال کیا ہے اسے آپ بھی
پڑھئے اور بنظر غائر جائزہ لیجئے : دارالعلوم کا اصل بانی کون ؟ کے
عنوان سے ابوسلمان قاسمی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا مراسلہ ۲۱ جنوری ۱۹۷۷ء
قومی آواز دہلی کے شمارہ میں شائع ہوا اس مراسلہ میں میرے تحقیقی مقالہ پر
بحث کم اور میری ذاتی زندگی پر گفتگو زیادہ تھی وہ خط من و عن ذیل میں نقل
کیا جا رہا ہے :

دارالعلوم کا اصل بانی کون ؟

۔ قومی آواز کے خصوصی کالم کے تحت : دارالعلوم کا اصل بانی کون ؟ عنوان
سے ڈاکٹر غلام محی الدین کی تحریر کردہ مین قسطیں نظر نواز ہوئیں، پڑھ کر بہت
افسوس ہوا، عنوان کچھ، مدعا کچھ، جملے بے ربط، باتیں بے ترتیب حقیقت
کچھ، اظہار کچھ، مضمون نگار نے مذکورہ عنوان کے پس پردہ اپنے مخصوص نظر
کا اظہار پہلی قسط کے پہلے ہی گرافہ ہی میں کر دیا ہے، قسط وار جملات
کا حاصل کیا ہے ؟ سوائے عقائد باطلہ اور اوہام فاسدہ کی اشاعت کے۔

پر خوب! امام سے پہلے مقتدی کا وجود، صاحبِ تحویر کو کچھ لکھنے سے پہلے اپنے مقتدا کی تاریخ پیدائش کا جائزہ لینا چاہئے تھا۔ ادارہ کے قیام کے وقت ان کے مقتدا کا شعور تک نابالغ تھا، چہ جائیکہ حاجی صاحب ان کے مقتدی ٹھہرے۔ قرآن و حدیث کو مرجع وضع جاننے کے بجائے مولانا بریلوی کو شارع کی حیثیت دینا خود کی کون سی تیوری چال ہے؟ ہمدرد یونیورسٹی کے پرنسپل ایسے مضامین اسے بدنام کرنے کے ضامن ثابت ہوں گے۔

تینوں قسطوں کا لب لباب اس کے سوا کچھ نہیں کہ مضمون نگار کو شہرت و ناموری کا مایہ نولیا ہو گیا ہے۔ ایسے مریض بقول حکما را جاڑا لا سسنان جگہوں کو گوشہٴ عافیت سمجھتے ہیں لیکن طرفہ تماشہ یہ ہے کہ مضمون نگار نے اخبار کی راہ لی ہے۔ ممکن ہے اس راہ سے بھی منتہائے مقصود وہی ہو چنانچہ بقول صاحبِ مضمون۔ حاجی عابد حسین نے دارالعلوم کی بارگاہی داد وہ مسلک احمد رضا کے چروکار تھے ۛ

اس کرناک حقیقت کے باوجود کہ بریلی کی چشم کو تاہ میں دیوبند ہمیشہ خاربین کرکٹ کا ہے۔ صاحبِ مضمون کی یہ سلسلہ جنبالی، ممکن ہے اسی مقصود کو منتہا ہو کہ ہمدرد کی مسندِ مدرسین کو چھوڑ کر رضا خانی نظریات کے مطابق دو گز زمین دیار دارالعلوم میں مل جائے تو وہاں بھی تسبیح و دعا، صاف و صبا کی آڑ میں کسی قبر نما رفیع زمین کا مجاور بن جائیں۔

ڈاکٹر غلام بھٹی کو چاہے کہ قرطاس و قلم کی باگ اپنے مفروضہ مستندت کی جانب نہ نکھینچیں اور جو کچھ نکھیں کمال شعور اور حواس کو مجتمع کر کے نکھیں۔ مجھے پشورہ دینے کی ضرورت اس لئے بڑی کہ جب ان کی شاہکار تصنیف ”معلم العربیہ“ مارکیٹ میں آئی تو پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ تو تین سو (۳۰۰) غلطیوں کا تاریخی پلندہ ہے۔ یہ ایسی تین سو غلطیاں ہیں

جن کو کسی طور پر بھی کتاب کی گردن پر نہیں ڈالا جاسکتا۔ اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوا کہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ہوش و حواس کو بچ کر لکھا گیا ہے۔
 عبوسامات قاسمی - مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

جناب ابوسلمان قاسمی صاحب کے مراسلہ کے جواب میں جو میرا خط قومی آواز میں ۲۹ جنوری ۱۹۹۶ء کو شائع ہوا وہ یہاں بعینہ ذیل میں نقل کیا جا رہا ہے۔

بانی دارالعلوم دیوبند اور معتزین

۲۱ جنوری قومی آواز دہلی کے شمارہ میں کسی غیر معروف قاسمی صاحب کا بند بانی، غیر سنجیدہ اور تعصب سے بھرپور مراسلہ دارالعلوم دیوبند کے اصل بانی کے تعلق سے نظر سے گذرا۔ مراسلہ نگار کی تحریروں سے ایسا لگتا ہے کہ موصوف کا تعلق نئے فارضین سے ہے جنہیں علم و تحقیق کی دنیا سے دور کا بھی واسطہ نہیں کیونکہ اس مراسلہ کا تعلق موضوع بحث سے کم میری ذاتی زندگی سے زیادہ ہے انہوں نے میرے مقالے پر وہی گھسا پٹا اعتراض کیا ہے جس کا تفصیلی جواب میں قومی آواز، ۲۸ جنوری کی اشاعت میں دے چکا ہوں اور اگر موصوف حق و صداقت کا عینک لگا کر سنجیدگی کے ساتھ اس مراسلے کو پڑھ لیتے تو شاید اس قسم کی باتیں نہ کرتے۔

جناب ابوسلمان قاسمی صاحب! میں نے اپنے مقالے میں صرف تین باتوں پر زور دیا تھا اور آج بھی میں اسی برائے ہوں وہ تین باتیں یہ ہیں۔ اگر کچھ بن سکے تو اس کا جواب دیجئے۔

۱۔ جناب الحاج سید عابد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے اصل بانی ہیں۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب نہیں۔

۲۔ حاجی عابد حسین صاحب مولود و نیاز و فائز کا عقیدہ رکھتے تھے اور ہر مسئلہ اس کا اہتمام بھی کرتے تھے۔

۳۔ اس عقیدہ کی روشنی میں گویا حاجی صاحب کا نظریہ اُس زمانہ میں یہی تھا جس کے علمبردار اس زمانے میں دیگر علمائے اہل سنت و جماعت بطور خاص امام اہلسنت حضرت مولانا احمد رضا قادری رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء اہل متبعین ہیں۔

آپ نے جو یہ لکھا ہے "بقول صاحب مضمون حاجی عابد حسین نے دارالعلوم کی بنا رکھی اور وہ مسلک احمد رضا کے پیروکار تھے" یہ آپ کی افراہردازی اور کذب بیانی کا کھلا ثبوت ہے۔ اور یہ علمی و تحقیقی دلائل کے خلاف ہے ایسی کوئی عبارت میرے مقالے میں نہیں ہے۔

اور جو آپ نے میری حقیر کاوش معلم العربیہ کے بارے میں گفتگو کر کے اصل موضوع سے راہ فرار اختیار کرنے کی ناکام کوشش کی ہے تو اس سلسلے میں صرف اتنا عرض کرنا چاہوں گا کہ یہ کتاب کی پہلی اشاعت ہے اور ہر پہلی اشاعت میں خامیاں رہ جاتی ہیں جن کی اصلاح اشاعت ثانی میں کر دی جاتی ہے اگر آپ نے کوئی کتاب لکھی ہوگی تو اس کا آپ کو بخوبی اندازہ ہوگا۔ اس کتاب کے تعلق سے حلقہ دیوبندیت کی مشہور شخصیت جناب اسحق سنہلی صاحب کے نصیر کا صرف ایک جملہ نقل کر دینا چاہتا ہوں جو بنیاد پر لکھنؤ جنوری ۱۳۳۵ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔

"ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم نے یہ کتاب لکھ کر نہ صرف طب کے طلبہ اور طالبات پر احسان کیا ہے بلکہ فن طب کی بھی خدمت انجام دی ہے۔"

اور اپنے مراسلے میں جو آپ نے یہ لکھا ہے کہ مجھے شہرت و ناموری کا بلا تو کیا ہو گیا ہے تو شاید آپ کا اس بات پر ایلان نہیں کہ عزت و عظمت اور شہرت و ناموری کا تعلق قومی آواز سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم

سے ہے ۷۷

ڈاکٹر غلام محی الدین انجم جامعہ حمزہ
 ۱۷ جنوری ۱۹۷۹ء کے قومی آواز دہلی کے شمارے میں راقم نے مولانا اخلاق
 حسین قاسمی اور مولانا عبدالحمید نعمانی کے اعلیٰ درجہ کی گفتگو کا مشترکہ جواب دے
 کر ان حضرات کی غلط فہمیوں اور شکوک و شبہات کا ازالہ کیا تھا اور میرے
 اس جواب سے مولانا اخلاق حسین کسی حد تک مطمئن ہو گئے تھے۔ اس لئے
 انھوں نے میرے اس خط کا کوئی جواب نہیں دیا۔ البتہ جناب عبدالحمید نعمانی
 میدان سے نہیں ہٹے اور من چھ می گویم اور طنز و مزاح چھ می سراپد پر پوری طرح
 عمل پیرا رہے۔ میرا تحقیقی مقالہ دیوبند کے اصل بانی اور ان کے مذہبی
 عقائد سے متعلق تھا۔ اور وہ اپنی بحث میں نہ جانے کیا کیا مسئلہ چھیڑ کر ایک بار پھر
 میدان مناظرہ کو گرم کرنے کی دعوت دیتے رہے حالانکہ آج وہ دور نہیں کہ
 مناظرہ کی محفلیں آراستہ کی جائیں اور مناظرہ سے پہلے ہی کامیابی، اور فتح عظیم
 کے قد آدم پوش دیواروں پر آویزاں کر دیئے جائیں اس زمانہ میں سنجیدگی
 کے ساتھ علمی بحث و مباحثہ کی ضرورت ہے۔ اس لئے اپنے مقالہ میں
 میں نے جن چند باتوں کی طرف خفیف سا اشارہ کیا تھا اسی دائرہ میں رہ
 کر نعمانی صاحب کو اپنا موقف ثابت کرنا چاہئے تھا مگر نہ جانے اپنے
 خط میں وہ کن کن باتوں کو چھیڑ کر راہ فرار اختیار کرنے کی ناکام کوشش کرتے
 رہے حالانکہ جدھر بھی وہ بھاگتے ادھر ہی انھیں اپنا راستہ مسدود نظر آتا تھا۔
 عبدالحمید نعمانی صاحب قومی آواز میں دوسرے سنی دیوبندی اختلافات کے
 تعلق سے مسائل چھیڑ کر بانی دارالعلوم کی بحث کو نہ جانے کس ڈگر پر لے
 جانا چاہتے تھے۔ اپنے ایک تفصیلی خط میں کون سی ایسی اختلافی بحث

تھی جس کا انھوں نے ذکر نہ کیا ہو ۲۳ جنوری مراسلات کا کالم صرف جناب عبدالحمید نعمانی کی تحریروں سے سیاہ رہا۔ ان کا یہ خط دیوبند کا بانی و مسلک کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ وہ خط بلافظ ذیل میں نقل کیا جا رہا ہے۔

دیوبند کا بانی و مسلک

۱۸ جنوری کے قومی آواز میں، جناب ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم جامعہ ہمدرد دہلی کا مراسلہ شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے راقم الحروف اور مولانا اخلاق حسین قاسمی مثلاً کے مراسلے پر تنقید کی ہے۔ لیکن مراسلہ نگار نہ تو اپنی تحریر میں اپنے دعوے کو ثابت کر سکے اور نہ ہی اپنے مراسلے میں۔

ہمارا اعتراض و سوال، اعتقاد اور دوسرے نمبر پر بدعت سے متعلق تھا، اور مثال میں، راقم الحروف نے اپنے ماسوا کی تکفیر (کافر قرار دینا) اور قبر پر اذان کو پیش کیا تھا۔ جناب غلام یحییٰ صاحب نے اصل سوال کو گول کر کے بات کو نیاز و فائز اور مولود تک محدود کر دیا ہے۔ نفس ذکر ولادت کو علمائے دیوبند میں سے کسی نے بھی بدعت یا ناجائز قرار نہیں دیا ہے۔ راقم الحروف نے طالب علمانہ انداز میں اکابر دیوبند کے وسیع لٹریچر کا مطالعہ کیا ہے، ہمیں کسی کتاب میں یہ بات نہیں ملی کہ نفس ذکر ولادت ناجائز یا بدعت ہے۔ مولانا رشید احمد ٹھٹھکوی فتاویٰ رشیدیہ میں نفس ذکر ولادت اور ایصال ثواب کو مستحسن اور جائز قرار دیا ہے۔ براہین قاطعہ میں بھی سبح اور جائز بتایا ہے۔ جناب انجم صاحب نے اپنے پیش روؤں اور بزرگوں کی طرح سیاق و سباق سے ہٹا کر بات کہی ہے، تاکہ عوام اکابر دین سے بدظن ہو جائیں۔ لیکن اب وہ زمانہ چکا ہے۔ اب لوگ پڑھ لکھ رہے ہیں۔ میں اہل علم و شوق کو دعوت دوں گا کہ وہ مراسلہ نگار کی محولہ کتاب فتاویٰ رشیدیہ اور براہین قاطعہ مطالعہ فرما کر

اصل بات معلوم فرمائیں۔

ابن مروج مجلس میلاد نذر و نیاز کو بہت سے فکری مفسد کی وجہ سے ناجائز قرار دیا ہے۔ اور یہ کوئی غلط نہیں ہے۔ غلط سلسلہ اور موضوع روایت کا پڑھنا اور یہ خیال کر کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ہوتی ہے، قیام کرنا، وقت اور دن کے تعین کے ساتھ مجلس میلاد کا انعقاد، کا شرعاً جوت نہیں ہے، مستند فقہاء علماء نے انہیں نالیستیدہ قرار دیا ہے۔ مولود سے متعلق بیشتر کتابیں غیر مستند اور بہت سی بے اصل اور من گھڑت روایات پر مشتمل ہیں۔ یہ شعر دیکھئے:

دکھا تہے کیا مرتبہ قرب کا کہ زانو سے زانو ملتا ہے آج
خدا رخ سے پردہ اٹھا تہے آج محمد کو جلوہ دکھا ہے آج

یہ فقہی اصول ہے کہ اگر کسی مباح چیز میں مفسد شامل ہو جائے یا اسے ضروری، واجب یا شعار (پہچان) بنایا جائے تو وہ ناجائز ہو جاتی ہے۔ اس کے پیش نظر حضرت گنگوہی نے مروج مجلس میلاد کو ناجائز قرار دیا ہے، یہ اصول مولانا احمد رضا، مولانا امجد علی اور دیگر مدظلی علماء نے بھی تحریر کیا ہے (دیکھئے احکام شریعت جلد دوم از مولانا احمد رضا ص ۵، بہار شریعت جلد سوم ص ۱۱۱) لیکن میلاد کے معاملہ میں مذکورہ اصول کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ شاید غلام محسن، انجم کوہ، فقہی قاعدہ معلوم نہیں ہے، اور یہ ہر لپا، آپج، ڈی کے لئے معلوم ہونا ضروری بھی نہیں ہے اور اگر معلوم ہے تو سجاہل عارفانہ (جان کر) انجان بننا) سے کام لے رہے ہیں۔ حضرت سید عابد حسین جو ہر جہت مجلس میلاد کو کہتے تھے اس کے بارے میں قوی امکان ہے کہ وہ مفسد و منکرات سے پاک ہوگی، ایسی صورت میں علمائے دیوبند، ذکر ولادت کو جائز اور باعث خیر و برکت قرار دیتے ہیں۔ دیکھئے براہین قاطعہ ص ۶۷ تا ۷۲، عقائد علمائے دیوبند ص ۵ تا ۶ عربی مع اردو مطبوعہ صدیقی

کتاب گھر دیوبند ۶۹۹۸۸ از مولانا خلیل احمد انیسوی۔ امداد انصاری جلد ۲، اصلاح الرسوم ص ۱۸۷ از مولانا اشرف علی تھانوی۔

مراسلہ نگہ کرنے سوال کیا ہے کہ کیا مولود شریف کو کنہیا کے جنم کی طرح نہیں بتایا ہے؟ جی نہیں؛ مولود شریف اور ذکر ولادت پاک کو کنہیا کی جنم قرار نہیں دیا ہے، بلکہ سوانح، چانے اور کرشن اشٹی کی بھونڈی نقل کو غلط تشابہ کے سبب ناجائز قرار دیا ہے اور یہ محتاط علماء نے بھی تحریر کیا ہے۔ مردہ مہاس میلاد کا تعلق عقیدے سے نہیں، ان کا تعلق عملی رویے سے ہے۔ اس سلسلہ میں..... دوسرے اہل علم سے اختلاف کر سکتا ہے ایک دوسرے..... کو دلیل و تحقیق کی بنا پر غلط بھی کہہ سکتا ہے اس سے اختلاف میں شدت پیدا نہیں ہوتی ہے۔ اختلاف، مخالفت اور شدت میں اس وقت بدل جاتا ہے، جب اپنے مخالف کو کافر قرار دے دیا جائے جیسا کہ مولانا احمد رضا خاں اور ان کے خلفاء و متبعین نے کیا، اور یہیں سے بریلوی، دیوبندی اختلافات میں شدت و جارحیت پیدا ہوئی ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے رسالہ مہنت مسئلہ اور وحدت الوجود کا حوالہ دینا مسئلے کا حل نہیں ہے کیونکہ حضرت حاجی صاحب نے بات کو علمی بحث تک محدود رکھا ہے، تکثیر تک بات نہیں پہنچائی ہے، اور انہوں نے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے اختلافات کو غلوں و تلہیت اور کتاب و سنت کی روشنی میں تحقیق پر مبنی قرار دیا ہے اور متعلقین کو ان دونوں کی طرف رجوع کی تلقین و ترغیب دی ہے (دیکھئے حضرت حاجی صاحب کا فارسی رسالہ ضیاء القلوب ص ۱۸ مطبوعہ مہبتائی اور مکتبہ رشیدیہ و مکتوبات اکابر وغیرہ) رہی نذر و نیاز کی بات تو اس کے حرام و ناجائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے فقط حنفی کی صاحب کتاب در مختار باب الاعتکاف میں لکھا ہے کہ مردوں کے نام جو تہ

مانی جاتی ہے اور اولیاء کرام کی قبروں پر، روپے پیسے، شمع، تیل وغیرہ ان کے تقرب کی خاطر، جولا ئے جاتے ہیں وہ متفقہ طور پر باطل اور حرام ہے واعلم ان النذر الذی يقع وللأموات من اکثر العوام وما یؤخذ من الذواہر والشمع والزیت ونحوها فی ضرائح الأولیاء الکرام تقرباً الیہم فهو بالإجماع باطل وحرام، یہی بات مجدد الف ثانیؒ (مکتوبات امام ربانی دفتر سوم فارسی مکتوب نمبر ۱۴۱) اور قاضی شامیؒ نے ارشاد الطامین ص ۱۷۸ فارسی اور صاحبان فتاویٰ علیگیری (جلد اول ص ۲۳۸) نے بھی کہی ہے۔

مسک دیوبند، اصل کتاب و سنت، فقہ و تصوف پر مبنی، مسک اعتدال کا نام ہے، یہ کوئی نیا مسک نہیں ہے۔ مروجہ مجالس میلاد اور نذر و نیاز کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک، دور صحابہ کرامؓ، زمانہ تابعین اور کئی صدی بعد تک کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے۔ اگر ہے تو غلام بھی انہم صاحب پیش فرمائیں، اس سے سب کو معلوم ہو جائے گا کہ نیا مسک کون سا ہے مسک اعلیٰ حضرت ہے یا مسک دیوبند؟ - ۱۷

عبد الحمید نعمانی

ناظم شعبہ نشر و اشاعت جمعیۃ علماء ہند

۱۔ پٹنہ اور شاہ ظفر مارگ نئی دہلی

جناب عبد الحمید نعمانی صاحب نے اپنے اس مراسلہ میں اصل موضوع سے ہٹ کر جہاں اور بہت سارے سوالات قائم کئے تھے وہیں انہوں نے اس بات کی بھی وضاحت کی طلب کی تھی کہ مسک دیوبند یا مسک ہے یا مسک اعلیٰ حضرت؟ - مسک دیوبند یا مسک ہے کہ پرانا اس موضوع پر تفصیلی

معلومات کے لئے کتاب کی آخری بحث کا مطالعہ انتہائی سودمند ثابت ہوگا۔ جو مسلک دیوبند کیا ہے، کے عنوان سے شامل کتاب ہے۔ یہاں مسلک اہلسنت جسے عرف عام میں مسلک اعلیٰ حضرت کہا جاتا ہے اس کے متعلق تھوڑی بحث ذیل میں دی جا رہی ہے۔

مسلک اعلیٰ حضرت کوئی نیا مسلک نہیں ہے بلکہ یہ وہی مسلک اعتدال ہے جس پر صحابہ و تابعین، بزرگان دین اور دیگر سلف صالحین عمل پیرا تھے۔ مگر جب اہلسنت کے علاوہ غیر لوگوں نے اپنے اپنے مسلک کو مسلک اہلسنت اور مسلک حنفی کہنا شروع کر دیا تو ان لوگوں کے مسلک سے امتیاز کے لئے مسلک اہلسنت کو مسلک اعلیٰ حضرت کہا جانے لگا۔ اور یہ نسبت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کی طرف اسلئے کی گئی کہ انھوں نے ہی اپنی خدا داد صلاحیتوں اور قلم حق رقم سے مسلک اہلسنت کی محاسن کو اجاگر کیا اور دشمنان حق کی طرف سے لگائے گئے الزامات کا دندان شکن جواب دیا۔ اس نئے مسلک حق کی شناخت اور پہچان اس دور میں اگر مسلک اعلیٰ حضرت کو ہی مانا جائے تو بے جا نہ ہوگا اس حقیقت کے آشکار ہونے کے باوجود بھی جو امام اہلسنت حضرت مولانا شاہ امام احمد رضا کے مخالف و معاند ہیں وہ اپنے متبعین اور پیروکاروں کو اس لفظ کے استعمال سے روکتے ہیں ذیل میں ایک فتویٰ اس متعلق سے نقل کیا جا رہا ہے جس کے لکھنے والے فقیہ ملت حضرت مولانا مفتی جلال الدین احمد امجدی، بانی مرکز تربیت انتشار دارالعلوم امجدیہ ارشد العلوم ادھما گنج ضلع سٹی یوپی ہیں۔ سائل کا سوال اور مفتی صاحب کا جواب بعینہ ذیل میں دیا جا رہا ہے:

سوال: ہمارے یہاں ایک مولانا صاحب اور ایک پیر صاحب آ رہے ہیں جو سنی ہیں مگر وہ مسلک اعلیٰ حضرت کہنے پر اعتراض کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ مسلک اہل سنت اور مسلک حنفی کہنا کافی ہے مسلک اعلیٰ حضرت

کہنے کی کوئی ضرورت نہیں تو ایسے لوگوں کو کیا جواب دیا جائے۔ شواہد و تجربات۔

اہلسنتی، محمد سرمد پاشا قادری

ہسپیٹ ضلع بلاڑی کرناٹک

الجواب :- جو لوگ سنی ہونے کے باوجود مسلک اعلیٰ حضرت کہنے پر اعتراض کرتے ہیں وہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین و ملت امام احمد رضا عذت بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے حسد میں مبتلا ہیں اور حسد حرام و گناہ کبیرہ ہے حدیث شریفہ میں ہے وہ حسد کرنے والے کی نیکیوں کو اس طرح جلاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو جلاتا ہے۔ (ابوداؤد شریف ج ۲، ص ۳۱۷)

یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ مسلک اہلسنت اور مسلک حنفی کہنا کافی ہے اس لئے کہ دیوبندی اور مودودی بھی مسلک اہلسنت اور مسلک حنفی کے دعویدار ہیں تو دیوبندی مسلک اور مودودی مسلک امتیاز کے لئے موجودہ زمانہ میں مسلک اعلیٰ حضرت بولنا ضروری ہے یعنی مسلک اعلیٰ حضرت دیوبندی اور مودودی مسلک سے امتیاز کے لئے بولا جاتا ہے اگر کوئی اپنے کو مسلک اہلسنت اور مسلک حنفی کا ماننے والا لٹائے اور یہ نہ کہے کہ میں مسلک اعلیٰ حضرت کا پابند ہوں تو ظاہر نہیں ہوگا کہ وہ سنی ہے یا بد مذہب۔

لہذا مذہب حق اہلسنت و جماعت سے ہونے کو ظاہر کرنے کے لئے اس زمانہ میں مسلک اعلیٰ حضرت سے ہونے کو بتانا ضروری ہو گیا ہے اس پر اعتراض کرنے والے کو خدا اے تعالیٰ صیحیح سبھ عطا فرمائے (آمین)

مفتی صاحب کا یہ فتویٰ ہزاروں کی تعداد میں شائع ہو کر تقسیم ہو چکا ہے جس کے مثبت نتائج بھی سامنے آئے ہیں عبدالحمید نعمانی صاحب نے سنی دیوبندی اختلاف کے تعلق سے جن مسائل کو چھیڑا ہے یہ تقریباً سب وہی مسائل تھے جن پر کئی بار میدان مناظرہ سنوارا جا چکا ہے اور کتب مناظرہ میں ڈھیر سارا اثر پھر موجود ہے میں ان کے اس طویل مراسلہ کے جواب

نوک پلک درست ہی کر رہا تھا کہ مولانا جس اختر مصباحی بانی دارالعلوم دہلی کا طویل مراسلہ عبد الحمید نعمانی کے طویل مراسلہ کے تردیدی جواب اور میرے موقف کی حمایت میں "دارالعلوم کا بانی کون؟" کے عنوان سے ۵ فروری ۱۹۷۸ء کو شائع ہوا۔ دارالعلوم دیوبند کے قضیہ کے تعلق سے کسی سنی عالم کا یہ پہلا اور آخری مراسلہ تھا جو میرے موقف کی حمایت اور تائید میں شائع ہوا تھا۔ مصباحی صاحب کا مراسلہ جو مولانا عبد الحمید نعمانی کے مراسلہ کا بھرپور جواب ہے ذیل میں درج کیا جا رہا ہے:

دارالعلوم کا بانی کون

۱۔ روزنامہ قومی آواز دہلی میں مولانا ڈاکٹر غلام کئی انجم مصباحی ریڈ جامعہ ہمدرد نئی دہلی کے شائع شدہ مضمون "دارالعلوم کا بانی کون؟" یکم تا ۳ جنوری ۱۹۷۸ء کے سلسلے میں جو مراسلات شائع ہو رہے ہیں، ان میں قابل ذکر مراسلات مولانا اخلاق حسین قاسمی و مولانا عبد الحمید نعمانی قاسمی ناظم نشر و اشاعت جمیہ علماء ہند اور نمبر ۲ حاجی عابد حسین کے ہیں اور ان تینوں حضرات نے صراحت کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے بانی حاجی عابد حسین ہیں۔

البتہ اول الذکر دو حضرات نے ڈاکٹر انجم صاحب کے اس دعویٰ سے اختلاف کیا ہے کہ میلاد و قیام، عرس و فاتحہ جیسی چیزوں میں حاجی عابد حسین بانی دارالعلوم دیوبند کا وہی مسلک تھا جو اس دور میں امام احمد رضا فاضل بریلوی اور ان کے خلفاء و متبعین کا ہے۔ لیکن یہ دونوں حضرات کسی شعوس بنیاد پر اپنے اختلاف کی علامت قائم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ حاجی عابد حسین کے زمانہ میں دیوبندی بریلوی جیسی کسی اصطلاح یا اختلاف کا وجود نہ تھا اور کسی مسئلہ یا مسلک میں متحد الغیال ہونے کے لئے زمان و مکان کی کوئی قید نہیں ہوا کرتی ہے۔ مذکورہ معمولات اہلسنت

میں حاجی عابد حسین اور امام احمد رضا فاضل بریلوی کا مسلک اگر یکساں ہے تو دونوں کو ہم مسلک ہی سمجھا جائے گا، اس کے لئے کنسی ملاقات یا ہمصری وغیرہ کی بات ہی سرے سے فضول ہے۔

مولانا عبد الحمید نعمانی قاسمی نے نذر و نیاز اور مروجہ محافل میلاد کو اپنے مراسلہ (نومی آواز ۲۴ جنوری) میں ناجائز قرار دیا ہے اور مردوں سے اقرب حاصل کرنے کے لئے نذر و نیاز کے ناجائز ہونے پر درمختار کی عبارت فتاویٰ ہندیہ و مکتوبات امام ربانی وغیرہ کے نام پیش کئے ہیں سوال یہ ہے کہ اس نذر کو کس بریلوی عالم نے جائز کہا ہے؟ ایسی نذر شرعی تو یقیناً حرام ہے۔ یہاں تو جس نذر و نیاز کو جائز کہا گیا وہ عرفی طور پر بمعنی نذر صدقہ و خیرات، ایصالِ ثواب ہے جو بزرگوں اور مرحوموں کے لئے کیا جاتا ہے۔ خود فتاویٰ رشیدیہ جلد اول میں ہے۔ اور جو اموات اولیاء اللہ کی نذر ہے تو اس کے اگر یہ معنی ہیں کہ اس کا ثواب ان کی روح کو پہنچے تو صدقہ ہے درست ہے۔ اور جو نذر بمعنی اقرب ان کے نام پر ہے تو حرام ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ از مولانا رشید احمد گنگوہی) اور حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی رسالہ نذر میں فرماتے ہیں "نذر سے کہ اس جاستعمل می شود بر معنی شرعی نیست۔ چہ عرف آئست کہ آنچه پیش بزرگان می برند نذر و نیاز می گویند۔ (رسالہ نذر)

شاہ رفیع الدین محدث دہلوی و مولانا رشید احمد گنگوہی کے بیان کردہ نذر و نیاز بمعنی صدقہ و خیرات کو موجودہ قاسمی حضرات جائز سمجھتے ہیں یا ناجائز؟ اس کا جواب عنایت فرمائیں!

محافل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق مولانا نعمانی صاحب فرماتے ہیں کہ ان میں غلط روایات پڑھی جاتی ہیں جنہو اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا قصور ہوتا ہے۔ اس کے اندر نکری و عملی مفساد ہیں۔

اس لئے یہ ناجائز ہیں۔ لیکن مولانا نعمانی صاحب اہم احمد رضا فاضل بریلوی
 یان کے خلفاء و تلامذہ یا کسی مستند بریلوی عالم کی کسی تحریر یا عمل کا کوئی
 حوالہ پیش کرنے سے قاصر ہے ہیں اور محض مفروضات اور محافل میلاد منعقد
 کرنے والے جمہور اہل سنت کے ساتھ بدگمانی کی بنیاد پر ایک علامہ شہری کو بھیج
 رہے گئی یہ بات کہ مروجہ میلاد بدعت ہے۔ تو کی تبلیغی جماعت کا چلہ و
 گشت سنت ہے؟ اور اگر کوئی خرابی محفل میلاد سے کہیں وابستہ ہو گئی تو
 اس کا ازالہ حکیمانہ طوع پر ہونا چاہئے۔ نہ یہ کہ محفل میلاد ہی کو ناجائز قرار دیا جائے
 مولانا نعمانی صاحب لکھتے ہیں ”حضرت حاجی سید عابد حسین جو ہر ہفتہ
 مجلس میلاد کرتے تھے اس کے بارے میں قوی امکان ہے کہ وہ مفاسد و
 منکرات سے پاک ہوگی (قومی آواز۔ ۲۳ جنوری) مفاسد و منکرات سے
 پاک میلاد شریف کرنے سے علماء دیوبند کو کس چیز نے روک رکھا ہے؟
 محفل میلاد منعقد کر کے مسلمانان ہند کو کیوں نہیں بتایا جاتا کہ صحیح طریقہ
 میلاد یہ ہے؟ اور اس سلسلے میں حاجی سید عابد حسین ہائی دارالعلوم دیوبند
 کے مسلک سے انحراف کیوں کیا جا رہا ہے؟

بات دراصل یہ ہے کہ خود مورخین حلقہ دیوبند کا مستند تحریری مواد پیش کر کے
 مولانا ڈاکٹر غلام محسنی انجم مصباحی نے ایک تاریخی فریب کی برسرعام نقاب
 کشائی کر دی ہے اور اصل حقیقت کو اس انداز سے چھپانے کی پھر کوشش کی جا رہی
 ہے کہ قارئین کا ذہن دوسری باتوں کی طرف متوجہ کر دیا جائے اور نئے نئے
 مسائل میں انہیں الجھا دیا جائے لیکن انصاف پسند اور باشعور قارئین اب
 اس تاریخی حقیقت سے واقف ہو چکے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا
 قاسم نانوتوی نہیں بلکہ حاجی سید عابد حسین ہیں اور سبکی و نظریاتی طوع پر حاجی
 سید عابد حسین اور علمائے دیوبند کے فکر و عمل میں تضاد و اختلاف بھی تھا۔
 لیکن مختصر مصباحی، بانی مہتمم دارالعلوم۔ قادری مجددی، ڈاکٹر غلام محسنی،

جناب عبدالحمید نعمانی صاحب نے جواب دینے کے لئے بارہا مخاطب کیا تھا اس لئے مسلک کے تعلق سے ان کے شکوک و شبہات کو دور کرنا میرا لازمی فریضہ تھا چنانچہ ان کے مراسلہ کی تردید میں میں نے ۶ صفحات پر مشتمل دلائل و براہین سے مربوط جواب لکھا اور وہ طویل خط برائے اشاعت قومی آواز دہلی کو ارسال کر دیا۔ خط چونکہ طویل تھا اور قومی آواز کے مراسلات کا کالم اتنا طویل خط شائع کرنے کا شاید متحمل نہیں اس لئے پورے خط کو شائع نہ کر کے اس کے اول و آخر پر اگراف کو شائع کر دیا اور آخر میں یہ نوٹ بھی لگاوی کہ اب اس موضوع پر کوئی مراسلہ یا مضمون برائے اشاعت نہیں قبول کیا جائے گا۔

جناب عبدالحمید نعمانی صاحب کے تردیدی جواب میں قومی آواز دہلی، میرا مراسلہ مکمل شائع نہ ہو سکا اسے یہاں نقل کیا جا رہا ہے تاکہ قارئین انصاف پسند ارباب دین و دانش پر یہ واضح ہو جائے کہ حق کس طرف ہے۔ اور باطل کے علمبردار کون لوگ ہیں۔

بانی دارالعلوم اور معترضین

۲۲ جنوری قومی آواز کی اشاعت میں جناب عبدالحمید نعمانی صاحب کا مراسلہ میرا مسلک کے جواب میں نظر سے گذرا جس میں نعمانی صاحب نے غلط بحث کے طور پر ڈھیر ساری باتیں لکھ کر مجھے اصل موضوع سے ہٹانے کی کوشش کی ہے۔ اور شروعات یہاں سے کی ہے کہ مراسلہ نگار نہ تو اپنی تحریر میں اپنے دعوے ثابت کر سکے اور نہ ہی اپنے مراسلے میں نعمانی صاحب یہ فیصلہ قارئین قومی آواز اچھی طرح کر رہے ہیں کہ کیا صحیح ہے کیا غلط۔ اس تعلق سے آپ کے قول کا اعتبار نہ ہوگا۔ آپ نے بدعت اور تکفیر کے مسئلے کو لے کر جو اصل موضوع سے راہ فرار اختیار کرنے کی کوشش کی ہے وہ بھی قومی آواز کے قارئین پر اچھی طرح

واضح ہے ایک بار پھر میں آپ کو اصل موضوع بحث کی طرف کھینچ کر لے رہا ہوں۔ اگر ہو سکے تو اسی دائرہ میں رہ کر ہماری باتوں کا جواب دیں۔ اور یہ بات میں اس لئے لکھ رہا ہوں کیونکہ بریلوی اور دیوبندی اختلافات اتنے ہیں جس کا متحمل قومی آواز کے مراسلہ کا کالم نہیں ہو سکتا اور ویسے بھی اس موضوع پر ڈھیر سارا لٹریچر موجود ہے اور اگر شوق ہی ہے تو اصل موضوع بحث پر پہلے اپنا موقع ثابت کر لیجئے پھر دوسرے موضوعات کو پھیر دیجئے۔

نعمانی صاحب ایک بار پھر میں آپ کو یاد دلادوں کہ میں نے اپنی تحریروں میں صرف تین باتوں پر زور دیا تھا اور انہیں باتوں کو میں نے دلائل برابر ہیں کی روشنی میں ثابت کیا ہے،

۱۔ دارالعلوم دیوبند کے اصل بانی حاجی عابد حسین صاحب ہیں مولانا قاسم نانوتوی نہیں۔

۲۔ حاجی عابد حسین صاحب موجود اور نیاز و فاتحہ کے قائل تھے اور اس پر عمل پیرا بھی تھے۔

۳۔ اس نقطہ نظر کے تعلق سے حاجی عابد حسین صاحب کا گویا اُس دور میں عقیدہ وہی تھا جس کے علمبردار اس زمانے میں علما نے اہلسنت و جماعت بطور خاص امام اہلسنت مولانا احمد رضا قادری کے خلفاء متبعین ہیں۔ نعمانی صاحب آپ کی تحریروں سے ایسا لگتا ہے کہ آپ نے مجددِ تعالیٰ ہماری پہلی دونوں باتیں مان لی ہیں کیونکہ آپ نے بانی دارالعلوم کے تعلق سے اپنے تنقیدی مراسلے میں کچھ نہیں لکھا۔ التَّشْكُوتُ بِالزُّلْمِ کے تحت گویا یہ بات طے ہو چکی ہے کہ حاجی عابد حسین صاحب ہی دارالعلوم دیوبند کے اصل بانی ہیں۔ دوسری بات عقائد و نظریات کے تعلق سے ہے اس کا بھی آپ نے ۲۴ جنوری کے مراسلے میں اعتراف کر لیا ہے اور یہ جملہ لکھا ہے کہ حضرت سید عابد حسین صاحب جو ہر سبقت مجلس میلاد کرتے تھے ۱۲۱۱ھ کے

بارے میں قوی امکان ہے کہ وہ مفاسد و منکرات سے پاک ہوگی۔ اب رہا تیسرا مسئلہ اس تعلق سے کہ حاجی عابد حسین کا وہی نظریہ تھا کہ نہیں جو اس زمانہ میں امام احمد رضا کے خلفاء و متبعین کا ہے تو وہ بھی انشاء اللہ آپ جلد ہی تسلیم کر لیں گے۔ یہ بات تو آپ تسلیم کر ہی چکے ہیں کہ جس میلاد میں موضوع روایتیں پڑھی جاتی ہیں وہ علمائے دیوبند اور علمائے بدعتی دونوں کے یہاں ناجائز ہیں۔ اب رہی بات اس میلاد مبارک کی جس میں صحیح روایتوں کے ذریعہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور فضائل و محاسن بیان کئے جائیں تو نعمانی صاحب میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ یہ بھی میلاد مبارک آپ کے یہاں جائز نہیں۔ ہانی مسلک دیوبند مولانا رشید احمد گنگوہی نے فتاویٰ رشیدیہ جلد ۳ ص ۱۱۱ میں لکھا ہے :

”کسی عرس اور مولود میں شریک ہونا درست نہیں اور کوئی ساعرس و مولود درست نہیں۔“

کیا اس عبارت میں نفس ذکر میلاد کا انکار نہیں ہے اور آپ نے جو یہ لکھا ہے کہ ”نفس ذکر ولادت کو علمائے دیوبند میں سے کسی نے بھی بدعت یا ناجائز نہیں قرار دیا ہے“ یہ آپ کا اپنے اکابر پر بہتان نہیں ہے؟ اور آپ کی یہ کذب بیانی نہیں؟ اور آپ نے جو یہ لکھا ہے نفس ذکر ولادت کے عدم جواز کے تعلق سے ہمیں کسی کتاب میں یہ بات نہیں ملی تو میرا آپ کو مخلصانہ مشورہ ہے طالب علمانہ نہیں بلکہ عالمانہ بصیرت کے ساتھ اپنے اکابر کی کتابوں کا مطالعہ کریں انشاء اللہ آپ کو ساری باتیں مل جائیں گی۔ اب آئیے بریلوٹیٹ کی عبارت جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت منانے کو کنھیا کی جنم منانے کے مشابہ قرار دیا ہے لگے ہاتھوں ملاحظہ کر لیجئے۔۔۔ پس ہر روز اعادہ ولادت کا تو مثل منور کے سانگ کنھیا کی ولادت کا ہر سال کرتے ہیں۔ یا مثل روافض کے نقل شہادت اہل بیت ہر سال بناتے ہیں! معاذ اللہ! سانگ

آپ کی ولادت کا شہر اور خود حرکت قبیلہ لوم، حرام اور فستی ہے، بلکہ یہ لوگ (جو لوگ میلاد مبارک کا اہتمام کرتے ہیں) اس قوم (ہنود اور دوافض) سے بڑھ کر ہوئے وہ تو تاریخ معین پر کرتے ہیں ان کے یہاں کوئی قید نہیں۔ جب چاہیں یہ خرافات فرضی بناتے ہیں اور اس امر کی شرع میں کہیں نظر نہیں (براہین قاطعہ ص ۱۱۳) براہین قاطعہ وہی کتاب ہے جسے مولانا رشید احمد گنگوہی نے لکھی اور مولانا خلیل احمد انیسویں کے نام شائع ہوئی، مولود شریف کے تعلق سے فتاویٰ رشیدیہ جلد اول صفحہ پر یہ عبارت بھی موجود ہے:

”عقد مجلس مولود اگرچہ اس میں کوئی امر غیر مشروع نہ ہو مگر اہتمام و تداعی اس میں موجود ہے لہذا اس زمانہ میں درست نہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول ص ۱۱۳ میں یہ بھی ہے (مولود) ناجائز ہے سبب اور وجہ کے، بانی مسلک دیوبند مولانا رشید احمد گنگوہی نے ایک جگہ لکھا ہے۔ ”کوئی مولود درست نہیں۔“ دوسری جگہ لکھا ”اہتمام و تداعی کے سبب درست نہیں۔“ تیسری جگہ لکھا ”سبب اور وجہ کے جائز نہیں۔“ اور براہین قاطعہ میں جو لکھا وہ آپ کے سامنے ہے۔ نعمانی صاحب! اب میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ حاجی عابد معین صاحب جو زکریا میلاد مبارک کی محفل میں خرچ کرتے تھے وہ ”اہتمام و تداعی“ کے علاوہ کسی اور چیز پر خرچ کرتے تھے اگر اس کے علاوہ کسی اور چیز پر خرچ کرتے تو آپ یہیں بتائیے! نہیں تو مان لیجئے کہ حاجی صاحب اسی میلاد مبارک کا ہر ہفتہ اہتمام کرتے تھے جسے مولانا رشید احمد گنگوہی نے مطہر بالا میں ناجائز اور گنہگار کا جنم دن منانے کے مشابہ قرار دیا ہے۔ نعمانی صاحب! ذکر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کس قدر اہتمام کرنا چاہئے صحابی رسول حضرت انس بن مالک کی زندگی کا مطالعہ کوں مشکوٰۃ شریف جلد ۲ ص ۳۳ میں ان کے خلق سے صبح ہے کہ ”جب انہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرنی ہوتی تو پہلے غسل فرماتے خوشبو

لگاتے، نئے کپڑے پہنتے، طلیسان اوڑھتے اور عام باندھتے۔ چار دربار مبارک پر رکھتے۔ ان کے لئے مثل عروس ایک تخت بچھایا جاتا اس وقت باہر تشریف لاتے اور نہایت خشوع و خضوع سے اس پر جلوس فرماتے اور جب تک حدیث بیان فرماتے اگر اتنی مسلگاتے اور اس تخت پر اسی وقت تک بیٹھتے جب تک حضرت بنی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرنی ہوتی، چھٹی صدی ہجری کے مشہور محدث علامہ ابن جوزی نے تو میلاد مبارک کے تعلق سے یہاں تک لکھا ہے۔ ”یہ عمل جوین شریفین یعنی مکہ و مدینہ مصر و یمن و شام تمام بلاد عرب اور مشرق و مغرب میں ہر جگہ کے رہنے والے مسلمانوں میں جاری و ساری ہے وہ میلاد النبی کی مضامین قائم کرتے اور لوگ جمع ہوتے ہیں اور ماہ ذی الحج الاول کا چاند دیکھتے ہیں، خوشیاں مناتے ہیں غسل کرتے ہیں عمدہ عمدہ لباس پہنتے ہیں زیب و زینت اور آرائش کرتے عطر و گلاب چھڑکتے، سرمہ لگاتے اور ان دنوں میں خوشی و مسرت کا اظہار کرتے“ (بیان میلاد النبی ص ۳۲ و تفسیر روح البیان ج ۹ ص ۹۹)۔

نعمانی صاحب! اب آپ بتائیے کیا ”اہتمام و تداعی“ اس کے علاوہ کسی اور دوسری چیز کا نام ہے اور اگر نہیں ہے تو بانی مسلک دلو بند کے نزدیک میلاد شریف کی مبارک محفل ناجائز کیسے ہو گئی۔ آپ مجھے یہ بھی بتائیں کہ میلاد مبارک کے درج ذیل اجزائے ترکیبی میں سے کون سا ایسا جز ہے جو کسی سنت کو شائبہ ہے یا شریعت کے کسی قاعدہ کلیہ کے تحت ممنوعات کے زمرے میں آتا ہے۔ محفل میلاد کے اجزاء یہ ہیں ۱۔

- ۱۔ اعلان عام ۲۔ فرض و نعت اور شامیانہ وغیرہ ۳۔ روشنی۔
- ۴۔ بخور و عطریات و گلاب ۵۔ شیرینی ۶۔ مجمع مسکین ۷۔ ذکر و میلاد خواں ۸۔ ذکر الہی و ذکر رسول ۹۔ قیام و سلام۔

ان سارے اجزاء میں سے سوائے قیام و سلام کے کوئی جز ایسا نہیں ہے

جس پر علمائے دیوبند کا جلسہ سیرت یا جلسہ وعظ یا جلسہ تبلیغ یا جلسہ دستار بندی یا جلسہ تنظیم و جماعت مشتمل نہ ہو۔ اعلان عام بھی ہے۔ فرس و تخت اور شامیاد بھی ہے، روشنی بھی ہے، مجمع بھی ہے، واعظ و مقررین بھی ہیں اس لئے ان میں سے کسی جز کو ناجائز و بدعت ضلالہ کہہ کر اسے حرام قرار دینے کے معنی یہ ہیں کہ علمائے دیوبند خود اپنے ہی جلسوں کے خلاف حرام ہونے کا فتویٰ دیں۔ اب رہ گیا معاملہ قیام و سلام کا تو یہ بھی علمائے دیوبند کے یہاں وجہ حرمت نہیں کیونکہ بدون قیام بھی مولود کو مولانا رشید احمد گنگوہی ناجائز لکھ چکے ہیں (جیسا کہ سطور بالا میں گذر چکا ہے) قیام و سلام کے تعلق سے مولانا رشید احمد گنگوہی کے پیرو مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کا عمل نقل کر کے گذر جانا چاہتا ہوں تاکہ قارئین قومی آواز پر واضح ہو جائے اکابر دیوبند کے پیرو مرشد کا کیا عمل رہا ہے۔ اور مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولود میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف و لذت پاتا ہوں (فیصلہ ہفت مسئلہ مطبوعہ لاہور)۔ اب رہی بات نیاز و فاتحہ کی جس پر حاجی عابد حسین صاحب عمل پیرا تھے وہ بھی مسلک دیوبند میں ناجائز و بدعت ضلالہ ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد ۲ ص ۱۷ میں ہے۔ فاتحہ کھانے یا شیرینی پر بڑھنا بدعت ضلالہ ہے۔ ہرگز نہ کرنا چاہئے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی دوسری جگہ لکھتے ہیں۔ فاتحہ مروج بھی بدعت ہے معہذا مشابہ بفعل ہنود ہے اور تشبہ غیر قوم کے ساتھ منع ہے (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۲۹)

نعمانی صاحب! فاتحہ کا مروجہ طریقہ یہی ہے ناکہ علمائے بریلوی کھانا سامنے رکھ کر اس پر قرآن کی آیتیں تلاوت کرتے ہیں اور پھر اس کا ثواب انبیاء و مرسلین اور صحابہ و صالحین کی روح پر فوج کو پہنچاتے ہیں۔ یہی معمول حاجی عابد حسین صاحب کا بھی تھا۔ اب آپ یہ بتائیے کہ اجزائے

فاتحہ ۱۔ تلاوت قرآن ۲۔ کھانا ۳۔ ایصالِ ثواب ۴۔ فاتحہ خواں میں سے کون سا ایسا جز رہے جس سے کوئی سنت متنی ہے اور وہ بدعت کے زمرے میں آتا ہے۔ یہ تمام چیزیں خود علمائے دلو بند بھی کرتے ہیں کیا آپ کے یہاں قرآن کی تلاوت نہیں ہوئی کیا آپ کھانا نہیں کھاتے، کیا آپ کے یہاں ایصالِ ثواب کا عمل نہیں مگر یہ تو یہ چیز ناجائز اور بدعتِ ضلالہ کیسے ہوگئی اور آپ کے علماء بدعتِ ضلالہ کے مرتکب کیوں ہو رہے ہیں ۱۔ نعمانی صاحب! کھانے کو سامنے رکھ کر قرآن کی تلاوت کرنا ہرگز ناجائز نہیں شکوۃ شریف ص ۵۲۹۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت درج ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو میری والدہ (ام سلیم) نے کھانا بطور تحفہ و ہدیہ پکایا اور میرے ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور ساتھ ہی یہ کہا کہ حضور سے میرا سلام کہنا اور عرض کرنا کہ اس موقع پر یہی جو کچھ ہے قبول فرمائیں وہ کھانا لے کر میں آپ کے پاس پہنچا اور والدہ کا سلام و پیام عرض کیا آپ نے فرمایا اے انس اسے رکھ دے اور فلاں فلاں کو بلا میں بلا تا گیا یہاں تک کہ تین سو آدمی جمع ہو گئے پھر سرکار نے اس کھانے پر اپنا دست مبارک رکھا اور جو چاہا پڑھا۔ پس پھر کیا تھا وہ کھانا اس قدر بابرکت ہوا کہ لوگ شکم سیر ہو گئے ۲۔ اس حدیث سے واضح طور پر یہ ثابت ہے کہ کھانا سامنے رکھ کر اس پر کچھ پڑھنا سنت رسول کے عین مطابق ہے۔ پھر نعمانی صاحب اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ اس میں کسی بزرگ کا نام لیا جاتا ہے اس لئے نیاز و فائز ناجائز ہے تو آئیے ہم آپ کو دوسری حدیث سنائیں یہ حدیث ابو داؤد شریف کتاب الزکوٰۃ میں درج ہے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا میری ماں مر گئی ہے کو نسا صدقہ افضل ہے (جو ماں کے لئے کروں فرمایا پانی تو حضرت سعد نے کنواں

کھو دوایا اور کہا: ”ہذہ لام سعد“ یہ سعد کی ماں کے لئے ہے۔“ (یعنی انکی روح کو ثواب پہنچانے کی غرض سے بنوایا گیا ہے) اس حدیث سے صراحت ثابت ہو کہ جس روح کو ثواب پہنچانے کی غرض سے کوئی صدقہ و خیرات کی جائے یا نیاز و فاتحہ دلا یا جائے اگر اس صدقہ و خیرات اور نیاز و فاتحہ پر مجازی طور پر اس کا نام لیا جائے اور یوں کہا جائے بڑے پیر کا فاتحہ خواجہ اجیر کی نیاز اور سید الشہداء امام حسین کی سبیل تو ہرگز اس کا کھانا پینا حرام نہیں اگر ایساں ثواب کی چیز حرام ہوتی تو ام سعد کے کنواں سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام پانی نہ پیتے۔ لغمانی صاحب صدقہ ہو یا خیرات، نیاز ہو یا فاتحہ سب کا مطلوب ایک ہے اور وہ ہے میت کی روح کو ثواب پہنچانا اسی لئے تمام اکابرِ علمائے سلف نے نیاز و فاتحہ کو افضل مانا ہے۔ شاہ ولی اللہ نے زبدۃ النصارح ص ۳۲ اور حضرت شاہ عبد العزیز نے فتاویٰ عزیزہ میں واضح لفظوں میں لکھا ہے: ”وہ کھانا جو حضرت امام حسین کی نیاز کے لئے پکا یا جلے اور اس پر قل و فاتحہ درود پڑھا جائے وہ متبرک ہو جاتا ہے اور اس کا کھانا بہت ہی اچھا ہے۔ انہیں حقائق و معارف کی روشنی میں علمائے بریلی میلاد مبارک اور نیاز و فاتحہ کو جائز جانتے اور افضل قرار دیتے ہیں اور یہی معمول ہائی دارالعلوم حاجی سید عابد حسین کا بھی تھا۔ اس سے معلوم ہو کہ اُس دور میں حاجی عابد صاحب کا وہی عقیدہ تھا جس کے طلبہ دارِ اس زمانے میں امام احمد رضا قادری کے خلفا و امتداعین ہیں۔ لغمانی صاحب: آپ نے لکھا ہے کہ مسلک دیوبند کوئی نیا مسلک نہیں ہے، اور آپ کے استاد مولانا فخر شاہ دیوبندیت کی ابتدا مولانا محمد قاسم اور مولانا رشید احمد گنگوہی سے بتاتے ہیں۔ تو اس سلسلے میں آپ مجھے بتائیں کہ استاد کی بات مانی جائے یا شاگرد کی، اور اگر دونوں میں تضاد نہ ہوتا تو ہمیں دونوں کی بات تسلیم کرنے میں کوئی قیاحت نہ ہوتی۔

خدا را کچھ کہنے اور لکھنے سے پہلے اپنے اکابر کی تحریروں کا مطالعہ کر لیا کیجئے،
 اگر یہ طویل مراسلہ قومی آوازِ دہلی میں شائع ہو جاتا تو مسلکِ اہلسنت
 (مسلکِ اعلیٰ حضرت) کی حقانیت کے تعلق سے تو نعمانی صاحب کے شکوک
 و شبہات دور ہو گئے تھے۔ پھر بھی ابھی کچھ نہیں بگڑا ہے صبح کا بھولا اگر شام کو
 گھر واپس آجائے تو اسے بھولا نہیں کہا جاتا امید کہ میرے اس مراسلے کو نعمانی
 صاحب حق و صداقت کا عینک لگا کر پڑھیں گے اور پھر سینہ پر ہاتھ رکھ کر
 ٹھنڈے دل سے انصاف کریں گے کہ کیا مسلکِ دیوبند وہی سب کچھ نہیں
 جس کی بنیاد مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا اشرف علی
 تھانوی نے چودھویں صدی ہجری کے اداہل میں رکھی تھی اگر واقعہ کچھ ایسا ہی
 ہے جس کا سطور بالا میں ذکر ہوا تو پھر ایسے مسلک پر لعنت بھیجئے اور سچے دل سے
 بارگاہِ خداوندی میں توبہ و استغفار کیجئے اور پوری ملتِ اسلامیہ کے مرکزِ عقیدت
 روحی فدائے اقامہ مولیٰ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں سر ڈال کر
 اس مسلک کی اتباع اور پیروی کیجئے جو صحابہ و تابعین، بزرگانِ دین اور
 اسلافِ کرام کا مسلک رہا ہے اور ہمارے خیال سے یہی مسلک صراطِ مستقیم
 ہے جس کی بنیاد محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے اور جس پر استقامت کے
 ساتھ چلنے کی ہر نماز میں دعا کی جاتی ہے » اٰھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (۱۷)

اللہ تو ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔

اللہ تعالیٰ ہم کو آپ کو اور پوری ملتِ اسلامیہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
 سے سچی محبت اور اطاعت کرنے کی توفیق عطا فرمائے کیونکہ مَنْ يَطِيعِ الرَّسُوْلَ
 فَقَدْ اطَاعَ اللّٰهَ کے تحت اطاعتِ رسول ہی اطاعتِ خداوندی ہے اور
 بقول ڈاکٹر اقبال لاہوری ۷

محمد سے محبت دینِ حق کی شرطِ اول ہے
 اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

قومی آواز کے مدیر نے میرے جس مراسلہ کو شائع کر کے ۱۷ دسمبر ۱۹۹۹ء سے شروع ہونے والی اس بحث کو ۱۲ فروری ۱۹۹۹ء کو ختم کر دیا اسے ہم یہاں نقل کر کے اس اسید پر یہ بحث ختم کر رہے کہ اللہ تعالیٰ میری اس عرضداشت کو ملت اسلامیہ کے لئے مینارۂ ہدایت بنائے اور بانی دارالعلوم کے تعلق سے جو لوگ غلط فہمی کے شکار ہیں انہیں صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ (امین)

بانی دارالعلوم اور محترضین

۲۳ جنوری قومی آواز کی اشاعت میں جناب عبدالحمید لغمانی صاحب کا مراسلہ میرے مراسلے کے جواب میں نظر سے گذرا جس میں لغمانی صاحب نے ڈھیر ساری باتیں لکھ کر مجھے اصل موضوع سے ہٹانے کی کوشش کی ہے اور شروعات یہاں سے کی ہے کہ مراسلہ نگار نہ تو اپنی تحریر میں اپنے دعوے ثابت کر سکے اور نہ اپنے مراسلے میں۔ لغمانی صاحب! یہ فیصلہ قارئین قومی آواز اچھی طرح کر رہے ہیں کیا صحیح ہے یہ غلط اس تعلق سے آپ کے قول کا استہدائے ہوگا۔ لغمانی صاحب! آپ نے لکھا ہے کہ ”مسلم دیوبند کوئی نیا مسلک نہیں ہے۔“ اور آپ کے استاذ مولانا انظر شاہ دیوبندیت کی ابتدا مولانا محمد قاسم اور مولانا رشید احمد گنگوہی سے بتاتے ہیں۔ تو اس سلسلے میں آپ مجھے بتائیں کہ استاد کی بات مانی جائے یا شاگرد کی اور اگر دونوں میں تضاد نہ ہوتا تو ہمیں دونوں کی بات تسلیم کرنے میں کوئی قباحت نہ ہوتی۔ خدا رکھ کہنے اور لکھنے سے پہلے اپنے اکابرین کی تحریروں کا مطالعہ کر لیا کیجئے۔

ڈاکٹر غلام محسنی انجمن جامعہ ہمدرد، نئی دہلی ۱۱۰۰۶۲

نوٹ: اس کے ساتھ ہی اس موضوع پر مزید بحث بند کی جاتی ہے۔ آئندہ اس سلسلے میں نہ مراسلے اور نہ ہی مضامین شائع کئے جائیں گے قارئین سے بھی گزارش ہے کہ اس طرح کے موضوعات پر مراسلے اور مضامین شائع کرنے کیلئے نہ بھیجیں۔

بانی دارالعلوم دیوبند اور معتبرین

میں توجہ تھا مگر اب موج صبا کے ہاتھوں بھیلی جاتی ہے ترے حسن کی خوشبو ہر سو یہ تو دنیا کا دستور ہے کہ جب بھی کوئی بات مجمع عام میں کہی جاتی ہے تو اس کے سننے والے دو حصوں میں بٹ جاتے ہیں کچھ تو حق و صداقت کی بنیاد پر اس کی پذیرائی کرتے ہیں اور بعض کسی مصلحت یا ذاتی اغراض و مقاصد کی بنیاد پر اس کی تردید — کچھ یہی حال ”دارالعلوم دیوبند کا اصل بانی کون“ نامی مقالہ اور حق و صداقت پر مبنی اس کے مندرجہ کے ساتھ ہوا۔ چونکہ اس مقالے میں کچھ ایسے حقائق و شواہد ہیں جسے تسلیم کر لینے کے بعد دیوبندیت کی پوری تاریخ مجروح ہو جاتی ہے۔ اس لئے حلقہ دیوبندیت سے اس مقالہ کی بھرپور تردید ہوئی جس کی تفصیل آپ ”دارالعلوم دیوبند اور معتبرین“ کی بحث میں پڑھ چکے ہیں۔ اس مقالہ کے تعلق سے علمائے دیوبند سے جو بھی بحث و مباحثہ ہوا وہ سب تحریری شکل میں ہوا۔ قومی آواز دہلی کے صفحات اس کے گواہ ہیں ان تمام مباحث کو اختصار کے ساتھ بلفظ سطور بالا میں درج کیا جا چکا ہے۔ کوئی لاکھ جملہ لائے مگر حقیقت حقیقت ہوتی ہے اس کا اعتراف تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ اور حقیقت سے جو روگردانی کرے اور کسی مصاحبت ہی کی بنیاد پر کیوں نہ ہی اس سے اعراض و چشم پوشی کرے تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اس کے ایمان و عقیدہ میں کھوٹ اور کردار و عمل میں کمی ہے اس لئے کہ یہ سلسلہ اصولی ہے۔

دکھتی ہوئی آنکھوں کو برا لگتا ہے سورج

بہار زبانون کو برا لگتا ہے پانی

قومی آواز دہلی کے علاوہ یہی مقالہ قومی آواز مکھنؤ، ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور اور جہانِ رضا لاہور میں بھی شائع ہوا۔ اس طرح اس کا شہرہ پورے برصغیر میں ہو گیا۔ مجلات و رسائل کے ایڈیٹروں کو اس مقالے کی اشاعت پر مبارکباد

اور ستائشی خطوط موصول ہوئے جن میں تقریباً تمام ارباب علم و دانش نے اس بات کا یکساں طور پر اعتراف کیا ہے کہ بانی دارالعلوم کے تعلق سے اس حقیقت سے دنیہ چادر ہٹانے کا جواہم کارنامہ مقالہ نگار نے انجام دیا ہے وہ صرف لائق صد تحسین ہی نہیں بلکہ قابل تقلید بھی ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا اصل بانی کون؟ نامی مقالے کی ارباب حق میں جس قدر پذیرائی ہوئی اس کا ذکر مختصراً ہی سہی فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ ذیل میں کچھ اہم علماء اور دانشوروں کے مطبوعہ خطوط کا اقتباس اس لئے دیا جا رہا ہے تاکہ اہل حق پر یہ واضح ہو جائے کہ معترفین حق سے یہ دنیا خالی نہیں ہے ابھی بہت سے بندگان خدا ایسے ہیں جن میں احقاق حق کا جذبہ اور الباطل باطل کی جرأت ہے۔

۱۔ جناب ارشد اعظمی — اعظم گنڈ

ریڈیٹر اشرفیہ مبارکپور کے نام اس مقالہ کے تعلق سے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس شمارے میں ڈاکٹر غلام محیٰ انجم کا مضمون بڑی کاوش سے لکھا گیا ہے ان کی ہر تحریر بڑی نکتہ اور باندھن ہوتی ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ وہ ہر مضمون کا حق ادا کر دیتے ہیں۔ ہمارا اشرفیہ کو اپنے ایسے فرزندوں پر ناز کرنا چاہیے“

(اشرفیہ مبارکپور، ۲۹ اگست ۱۳۵۷ء)

۲۔ سید صاحب حسین شاہ بخاری، ادوار و افکار رضا۔ برہان شریف پاکستان

بانی دارالعلوم دیوبند کے تعلق سے افکار رضا بمبئی کے ایڈیٹر کو اپنا تازہ پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”ڈاکٹر غلام محیٰ انجم اہلسنت کے نامور قلم کار ہیں۔ ان کے مقالات صحیح اور معنوی لحاظ سے بے مثال ہوتے ہیں۔ جہاں رضا میں ان کا ایک مقالہ دارالعلوم دیوبند کا اصل بانی کون“ نہایت ہی چوکنا دینے والا تحقیقی نوعیت کا ہے۔ اب افکار رضا کے دسویں شمارے میں امام احمد رضا اور فرنی تدریج گوئی“ کے عنوان سے خاص فرما ہوئے ہیں۔ ماشاء اللہ یہ بصیرت افروز مقالہ بھی اہل فوق

کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں ہے۔“

افکارِ رضا، مئی ۶۰، راولپنڈی

۳۔ جناب پیر سید ذوالقرنین صاحب ہاشمی اسلام آباد

ایڈیٹر جہانِ رضا لاہور کو بانی دارالعلوم دیوبند نامی مقالہ کے بارے میں اپنا اظہار خیال ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

”دیوبند کا اصل بانی کون؟ ڈاکٹر غلام کبھی انجم، پروفیسر محمد یونس رشتی دہلی نے زبردست انکشاف کیا ہے۔ کم از کم ہمارے لئے پہلی بار یہ حقیقت سامنے آئی ہے کہ علامہ دیوبند کس قسم کی وارداتیں کرتے آئے ہیں۔ یہ انکشاف پاکستان کے دیوبندی علما کے لئے بھی حیران کن ہو گا۔“

جہانِ رضا، لاہور ۶ جون ۱۹۹۵ء

۴۔ جناب سید محمد عبد اللہ صاحب قادری، (ولہ کیٹ، پاکستان)

اپریل دہائی کے شمارہ میں ایک مقالہ میرا اور ایک میرے استاد گرامی پروفیسر مختار الدین احمد آرنو، والٹس چائلز منظر الخی عربی و فارسی یونیورسٹی، پٹنہ بہار کا بعنوان ”برصغیر کا ایک بے حد ممتاز مصنف الشیخ امام احمد رضا فاضل بریلوی“ شائع ہوا تھا اس لئے جناب محمد عبداللہ قادری صاحب نے ان دونوں مقالوں کی ستائش کرتے ہوئے ایڈیٹر جہانِ رضا لاہور کو لکھا:

”ڈاکٹر مختار الدین احمد آرنو (علی گڑھ) اور ڈاکٹر غلام محسنی انجم (دہلی) کے مضامین بہت اچھے ہیں، معلومات افزا ہیں، انھوں نے بڑی لگن اور محنت سے مضامین لکھے ہیں، قابلِ مطالعہ ہیں۔ انھوں نے اپنے مضامین کے صفحات میں بہت کچھ سمو کے رکھ دیا ہے۔“

جہانِ رضا لاہور ۲۵ جون ۱۹۹۵ء

۵۔ جناب خلیل احمد رانا (جہانگیر منڈی) پاکستان

پاکستان کے نامور قلم کار جناب خلیل احمد رانا، ایڈیٹر جہانِ رضا لاہور کے نام ارسال

کردہ اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:

”ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم صاحب کا مضمون بھی تحقیقی ہے چند الفاظ فقیر بھی لکھتا ہے
زبدۃ العلماء حضرت شیخ کریم بخش رام پوری رحمۃ اللہ علیہ (رام پور نہارن ضلع سہارنپور)
کے تین خلیفہ بھارت تھے۔

۱۔ حاجی محمد عابد دیوبندی رحمۃ اللہ (چشتی صابری) دیوبند ضلع سہارنپور، یوپی۔
۲۔ حضرت خواجہ طفیل علی رحمۃ اللہ علیہ۔

۳۔ حضرت حافظ صابر علی رحمۃ اللہ علیہ چشتی صابری (رام پور نہارن سہارنپور)
حضرت حافظ صابر علی چشتی صابری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ علامہ محمد مشتاق
انبیثوی رحمۃ اللہ علیہ تھے علامہ مشتاق احمد انبیثوی چشتی صابری علیہ الرحمۃ
نے علامہ نور بخش توگلی علیہ الرحمۃ (مصنف سیرت رسول (ر)) کو بھی خلافت سے نوازا تھا
(جہانِ فساد لاہور ص ۱۳۱ جون جولائی ۱۹۹۰ء)

۶۔ جناب پیر محمد شہزاد مجددی صاحب - ریلوے سڈر لاہور

”دیوبند کا اصل بانی کون؟ راز سر بستہ کو منکشف کرتے والی تحریر ہے“
(جہانِ فساد لاہور ص ۱۳۱ جون جولائی ۱۹۹۰ء)

۷۔ مولانا محمد علیم الدین نقشبندی - (دارالعلوم سلطانیہ، جہلم پاکستان)

”دارالعلوم دیوبند کا اصل بانی کون؟“ خاصے کی چیز ہے۔ مقالہ نگار نے بہت
محنت سے بہت سی تاریخی غلط فہمیوں کا انزال کر دیا ہے۔ دلائل و براہین کی
رو سے یہ حقیقت بے غبار کر دی ہے کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی کو دارالعلوم دیوبند
کا بانی قرار دینا کہنا اور لکھنا خلاف حقیقت ہے یہ ایسا ہی ہے کہ نزدیکی بگڑی
بجڑ کے سر پانڈھ دی جانے لے

مقالہ نگار کو اللہ تعالیٰ جزاک خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے اس داستان کو دہرایا
ہے۔ اہلسنت کی مساجد اور مدارس کے بانی حضرات کیلئے بالخصوص اور علوم اہلسنت
کیلئے بالعموم لائق توجہ ہے“
(جہانِ فساد لاہور ص ۱۳۱ اگست ۱۹۹۱ء)

۸۔ جناب صاحبزادہ محمد الیاس قادری فاضلی۔ مکتوب گجرات، پاکستان

”دارالعلوم دیوبند کے اصل بانی حاجی سید عابد حسین علیہ الرحمۃ کے بارے میں مضمون بے حد پڑا اثر ہے۔ قبضہ گروپ سے یہ سب کچھ بعید نہیں اور نہ تھا۔“
(جہانِ رضا لاہور، ص ۱۷، اگست ۱۹۷۷ء)

۹۔ جناب طارق سلطانپوری صاحب — حسن ابدال پاکستان

”جہانِ رضا کے ایک شمارہ میں حاجی سید محمد عابد حسین قادری علیہ الرحمۃ کو دارالعلوم دیوبند کے بانی کی حیثیت سے پیش کیا گیا۔ میں قطعہ سال وصال حضرت حاجی سید محمد عابد حسین قادری رحمۃ اللہ علیہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ اس قطعہ کے مندرجات کا ماخذ وہ ”انکشافاتی مضمون“ ہے جو ماہنامہ چہانِ رضا لاہور کے مارچ و اپریل کے مشترکہ شمارہ میں چھپا ہے اور جو میری ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم صاحب ہمد دیوبندورشی نالی نے تحریر کر کے ایک شاندار تحقیقی کارنامہ انجام دیا ہے۔“

جناب طارق سلطانپوری کا قطعہ وصال سولہ اشعار پر مشتمل ہے۔ بحث کی مناسبت سے اس کے صرف ۳ اشعار ذیل میں نقل کئے جا رہے ہیں۔

پیکرِ صدق و صفا و صاحبِ عرفان و علم

مرد حق عابد حسین عالی مقام و نام و در

آج ہے دیوبند کا مشہور جو دارالعلوم

اس کا بانی تھا حقیقت میں وہ مرد حق و نگر

دلو کا ہے مستحق تحسین کا حقدار ہے

آشکارا کردی انجم نے حقیقت مستتر

تربتِ عابد پے گوہر بار ہوتا درخشتر

ابر لطف و بارش نورِ خدا ئے بحر و بر

(جہانِ رضا لاہور، اگست ۱۹۷۷ء)

آخر میں خلاصہ بحث کے طود پر حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری استاذ تفسیر دارالعلوم دیوبند کا وہ تحقیقی مضمون شامل کتاب کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو مسلك دیوبند کیلئے ہے : کے عنوان سے ماہنامہ البلاغ کراچی ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ میں شائع ہوا تھا تاکہ انصاف پسند قارئین پر یہ اچھی طرح واضح ہو جائے کہ مسلك دیوبند کا اصل چہرہ کیا ہے۔ کیا مسلك دیوبند وہی ہے جس کی وضاحت آج کل دارالعلوم کے بعض نام نہاد فضلاء کر رہے ہیں یا وہ ہے جس کی وضاحت اکابر علمائے دیوبند نے کی ہے۔ اپنے اس مقالہ میں استاذ دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری نے جس انداز سے مسلك دیوبند کی صراحت کی ہے وہ قابل مطالعہ ہے انھوں نے اپنے مقالہ میں یہ عندیہ دینے کی کوشش کی ہے کہ مسلك دیوبند چودھویں صدی کی پیداوار ہے۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی سے پہلے کسی مسلک شخصیت سے اس مسلك کا کوئی تعلق نہیں۔ تعصب کا عینک اندھینکے اور حق و انصاف کا عینک لگا کر ٹھنڈے دل سے لگے صفات میں شیخ دارالعلوم دیوبند کی چونکا دینے والی تحریر کا مطالعہ کیجئے۔



مسئلہ دیوبند کیا ہے؟



استاذ دارالعلوم دیوبند

ع

سنسنی خیز انکشاف

مسک دیو بند کیا ہے ؟

مولانا سید انظر شاہ کشمیری: استاد تفسیر دارالعلوم دیوبند

حکم ہے ایک عزیز مکرم کا جو غالباً عمر میں کم اور علم و ذکا و فہم و دانش میں بمراصل آگے ہیں، کہ اکابر دیوبند پر ان کے موقر جملہ کے لئے کچھ لکھوں، لیکن سوچتا ہوں کہ اکابر کے تعارف سے پہلے، تو دیوبندیت ہی کو سمجھانے کی ضرورت ہے کہ پنے اور کو نپل۔ رگ دریشے۔ شاخیں اور ان کا لبا سلسلہ سب کچھ جڑ ہی سے براہ راست تعلق رکھتا ہے، اگر اصل ہی مشن و متعین نہیں تو برگ و بار کی تعریف و تعارف حقیقت کی دریافت کی دانی و کافی راہ نہیں۔ مضمون زیر قلم ہے تو عمر چالیس کے سن و سال سے آگے قدم بڑھا رہی ہے۔ بات اگرچہ اس دور میں بھی وہی ہے، جو کرنا کے مصنف نے غالباً پھر ایسوں ہی کیلئے ہی لکھی کہ

چهل سال عمر عزیزت گزشت

مزاج تو از حال طفلی ز گشت

تاہم جو کچھ ہوا وہ ہوا اور جو ہونا ہے وہ بھی ہو کر رہے گا۔ اتنا تو بطور تحدیث نعمت عرض کرنے کی ہمت رکھتا ہی ہوں کہ اب رد و قبول کا معیار بحمد اللہ شنیدہ نہیں بلکہ دیدہ ہے، یعنی جو کچھ پہنچا اور پہنچے گا، عقل کی کسوٹی اسے خود بھی پرکھ کر دیکھنے کا جذبہ وافر رکھتی ہے، گویا کہ آگہی و شعور معطل نہیں، بلکہ اپنے لگے بندھے کام میں مصروف ہیں، قرآن و حدیث، نبی اور پیغمبر دین و ملت، فقہ و روایت، بلکہ حد تو یہ ہے کہ اپنے اسلاف کے بارہ میں جو کچھ

لے اس کی ایک دلچسپ مثال یہ ہے جس سے غالباً کچھ سوچنے اور سمجھنے کا جوڑھنگ اپنا یا ہے اس کی کوئی خاص شکل آپ کے سامنے آئے کہ غدر کی معروف جنگ جس میں براہ راست

سنا اور سن رہا ہوں خوب ٹھونک بجا کر، اسے قبول کرنے کی عادت پڑ چکی، یہ
 کلپترہ گوئی بھی، درمدح خود کی کوئی جلی و خسی شکل نہیں بلکہ آنے والے بیانات
 و حقائق کو قابل قبول بنانے کی ایک معقول تہید ہے، مطلب یہ ہے کہ پڑھنے
 والے اور سننے والے، محض یہ کہہ کر، تحریر کو ہاتھوں سے نہ رکھ دیں کہ روایات
 کا ایک طومار اور مرویات کا پلندہ ہے۔ ایسا نہیں بلکہ فراغت کے برائے نام ہی
 سہی بہر حال سترہ برس کے عرصہ کے بعد جس حد تک واقعات کی دریافت ممکن
 ہو سکی "جدوجہد" کے اسی حاصل کو سامنے لا رہا ہوں، کہنا یہ ہے کہ جس طرح
 اسلام تمام ہی مذاہب میں، مذاہب کے تقابلی مطالعہ کے بعد میرے لئے

علمائے وقت بھی شرکت کر رہے تھے، اپنے اکابر سے بارہا سنا کہ جس وقت حضرت حافظ
 ضامن الشہید شہادت کے ارفع مقام پر فائز ہو گئے تو غالباً سید الطائف حضرت الحاج
 مولانا امداد اللہ قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ "میں اب جنگ لڑائی ختم، وہ تو خدا تعالیٰ کو
 حافظ جی کے شوق شہادت کی تکمیل مقصود تھی جو یہ سارا ہنگامہ کھڑا ہوا وہ ہو چکی اب
 لڑائی کی بھی کیا ضرورت، پھر انہیں اکابر سے مسلسل یہ بھی سنتا رہا کہ ٹھیک حافظ صاحب
 کی شہادت کے بعد جگہ جگہ بھڑکتے ہوئے شیعہ جنگ اور لڑائی کے اس طرح بچتے رہے
 جیسے کوئی پانی لٹ پر شکوں سے ڈال رہا ہو، روایت تو سن لی مگر دل ہمیشہ ابا و انکار کرتا
 کہ کیا یہ ممکن ہے کہ خدا نے حاکم و حکیم کی تکنیکیات و تقدیر محض ایک انسان کی خواہش
 و تمنا کے لئے اگرچہ وہ کتنا ہی مقبول و محکم ہو، پورے ملک کو جنگ کے شعلوں اور آگ
 میں جھونک دے؟ لیکن جب قرآن مجید ہی کے مسلسل درس و تفسیر کا موقع ارزانی ہوا تو
 اُمد کے واقعات میں یہ الفاظ آنکھوں سے دل میں اتر گئے، فرمایا: "وَتَجِدُ مِنْكَ شَهِيدًا"
 جس کا ترجمہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہی فرمایا ہے کہ "میرے بعضے تم میں شہید"
 آیت سے متعلق روایات میں آرہا ہے کہ بعض وہ خدا کا جو بندہ کے معرکہ میں شرکت نہ
 کر سکے تھے اور جنہیں امد کے کدزار میں شوق شہادت اور رنگ گلو سے خدا کے نام پر

ایک دین برحق ہے، جس کے ایک ایک جز پر خدا کا شکر ہے، کہ ایمان وارد کی دولت سے سرفراز ہوں، اسی طرح فقہی مکاتیب میں، حنفی طرز کی جامعیت گہرائی و گیرائی پر۔۔۔ دل و دماغ مطمئن ہیں دوسرے مکاتیب کی صحت و درستگی کے یقین کے باوجود حنفی فقہ کی ترجیح، علم و یقین کے درجہ میں حاصل ہے، بلکہ امام اعظم کے خصوصی تقفہ پر دل اسی درجہ مطمئن ہے، جیسا کہ استاذ الاساتذہ حضرت سیدنا شیخ الہند قدس سرہ العزیز کے بارہ میں بتواتر سنا کہ جس قول میں امام اعظم کو منفرد پاتے، تا آنکہ ان کے مشہور تلامذہ ابو یوسف اور محمد رحمہما اللہ بھی ان کے ہمنوا نہوتے، شیخ الہند علیہ الرحمۃ اس صورت حال پر بچائے پریشان و پشیمان ہونے کے بے حد مطمئن رہتے، فرماتے کہ واقعہ یہی ہے کہ یہ بات اس درجہ دقیق، نازک اور محقق تھی، جہاں تک سوائے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

نکلنے والا بے قرار خون نیکر پہنچا تھا احد میں، ناکامی کے لیے چڑھے اسباب بیان کرتے ہوئے ایک سبب یہ بھی حکیم و عظیم نے بتایا کہ اس طرح بعض سعید روحوں کی متنازع شہادت کی تکمیل بھی مقصود و مطلوب تھی، پس یہ امت جس کا آخر بھی، خیر سے خالی نہ ہے اور انشاء اللہ کبھی ہوگا کیوں ممکن نہیں کہ قدر و مقتدران کی بعض تناؤں کو پھرا کرنے کے لئے، غدر جیسے ہنگامے کھڑا کر دیئے، شر میں خیر کا جو پہلو رکھ دیا گیا جس کو دیکھ کر کہنے والے نے کہا تھا۔ کہ خدا شر سے برا لگیز کہ خیر مآراں باشد، اس پہلو کو سامنے رکھے ہوئے کسی کے لئے خیر کا دروازہ سیکڑوں کے لئے شر بنا کر ہر حال کھولا جاسکتا ہے۔ خوب کہا ہے کہنے والے نے۔

کہ تو چنین خواہد خدا خواہد چنینی می دہد یزداں مراد مصیبتی بہر حال حافظ ضامن صاحب سے متعلق روایت کو قبول کرنے میں کم از کم مجھے اب کوئی تذبذب نہیں، اولین میں اگر اس طرح کی روایت موجود ہے تو آخرین کیلئے امکان کو بھی نہ مانتا، عقل و آگہی کے بے مصرف کاموں سے زیادہ اور کچھ نہیں۔

کے کسی اور کی نظر پہنچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اُوکما قال۔ بلکہ سننے میں تو یہ بھی آیا ہے کہ جس مسئلہ کو حضرت مرحوم فقہار کے مابین قطعاً اتفاقی پائے، اس پر تشریح و تفصیل کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی یہ ارشاد فرماتے ہوئے گزر جاتے کہ ”چلو بھائی یہ بات تو اتنی سامنے کی ہے کہ سب ہی کو نظر آگئی“
 اس موقع پر سیدنا الامام مولانا النور شاہ کشمیری لغزہ اللہ العزیز کی وہ آخری تقریر بھی پیش نظر رہنی چاہئے، جو آپ نے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے سالانہ اس اجلاس میں الوداعی فرمائی جس کے بعد پھر اس ناسوتی دنیا میں آپ کا قیام محدود دے چند ماہ ہی رہا فرمایا کہ:

”ہم نے اپنی عمر کے چالیس سال محض اس مقصد کے لئے صرف کر دیئے کہ دیکھیں فقہ حنفی حدیث کے مطابق ہے یا نہیں، سو ہم اپنی چالیس سال محنت کے بعد قطعاً مطمئن ہیں، جہاں جس درجہ کی حدیث خصم کے پاس ہے اسی درجہ کی حدیث احناف کے پاس بھی ہے اور جہاں حدیث نہ ہونے کی بنا پر امام ابوحنیفہ کے مسئلہ کی بنیاد قیاس پر رکھی وہاں دوسروں کے پاس بھی کوئی حدیث موجود نہیں۔“

یہ قصص و تلاش نہ میرے لئے ممکن اور نہ بحالت موجودہ متوقع، تاہم اکابر کو جو کچھ یقین کد و کاوش پر میسر آیا کچھ بھی ہو اس ظلم و جہول کو وہ دولت الحمد للہ بہر حال حاصل ہے۔

اسی طرح ہندوستان اور بیرون ہند میں جس قدر نظریاتی اعتبار سے مکاتیب فکر و نظر پھیلے ہوئے ملتے یا ملتے رہیں گے ان سب میں، دیوبندیت کی اصابت اور مکمل حدیث و قرآن یا سنت و دین سے اس کی موافقت پر شرح صدر کی دولت مجھے میسر ہے۔ ہر تعصب سے بالاتر ہو کر جس قدر میں نے غور کیا یا فکر و نظر کی جتنی راہیں مجھ پر کھل سکیں، دیوبندیت کو اسی دین کی ایک مکمل تصویر میں نے پائی جو مکہ اور مدینہ زادھما اللہ شرفاً و تعظیماً سے اپنی

ابتدائی اور انتہائی، بلکہ ارتقائی شکل میں چلا تھا، ہے ایک مختصر جواب۔ تہید میں اٹھاتے ہوئے اس سوال کا کہ آخر دیوبند، یا دیوبندیت ہے کیا چیز، ذرا تفصیل اس کی اور ہو جانی چاہئے تاکہ دیوبندیت اپنے تمام زوایا و گوشوں خصوصیات اور ممیزات کے ساتھ دوسرے تمام مکاتیب فکر میں ممتاز ہو جائے۔

میرا خیال یہ ہے کہ ”ما اتاعلیہ واصلی“ جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اظہر سے، اسی سوال کے جواب میں تراوش ہوا تھا کہ بھات پھر کس فرقہ کی ہوگی؟ یہی دیوبندیت کی مختصر اور مفصل، جو جز اور مبسوط تعریف و تعارف ہے۔ پس میرے نزدیک، دیوبندیت خالص ولی الہی فکر بھی نہیں، اور نہ کسی خاص خانوادہ کی لگی بندھی فکر دولت و متاع۔ میرا یقین ہے کہ اکابر دیوبند جن کی ابتدا میرے خیال میں سیدنا الامام مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور فقیہ اکبر مولانا رشید احمد گنگوہی سے ہے، علم کامل، اور شعور بالغ کے ساتھ، قدرت نے ان کو ایک ایسی چھپنی بھی عطا کی تھی جس سے وہ انکار و نظریات کو چھان کر ہی قبول کر سکیں، مجھے اس حقیقت کے واضعان کرنے میں کوئی تامل و تذبذب نہیں ہوتا کہ ہندوستان کی سیاسی و مذہبی پامالی کے دور میں، دین کو اپنی شکل میں باقی رکھنے کے لئے، دیوبند کا وجود قدرت کا ایک عظیم عطیہ ہے۔ اور جن اکابر کو، فکر و نظر کی تراش و خراش کے لئے خدا تعالیٰ نے کھڑا کر دیا، وہ عظیم انسانی، صدیوں کی الٹ پھیر میں وجود پذیر ہوتے ہیں، اس لئے یہ دیوبندیت کی ابتدا حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے کرنے کے بجائے، مذکورہ بالا دو عظیم انسانوں سے کرتا ہوں۔

۱۔ چند سال گذرتے ہیں دارالعلوم دیوبند کے آفاقی کتب خانہ میں ایک باخبر مسلم یونیورسٹی کے پروفیسر، اچانک مجھ سے دریافت کرنے لگے کہ دیوبندیت کیا ہے؟ اسی

اس میں شک نہیں کہ ہماری حدیث کا سلسلہ حضرت شاہ صاحب پر منتهی ہوتا ہے۔ اور آج ہندوپاک میں حدیث و قرآن کے جو مزے سنے جلتے ہیں ان میں خانوادہ ولی اللہی کا براہ راست دخل ہے۔ اس لئے ان کی خدمات جلیلہ کا انکار نہیں ہو سکتا۔ تاہم کم از کم مجھے تو شاہ صاحب اور دیوبند میں فرق نمایاں اور واضح نظر آتا ہے جس کے بعد، دیوبندیت کو ولی اللہی فکر کا ایک سرچشمہ قرار دینے میں مجھے تامل ہے، بلکہ میرے اپنے مطالعہ کا حاصل تو یہ ہے کہ دیوبندی فکر سے بہت کچھ حضرت رئیس المحدثین شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ قریب ہیں۔ فقہ حنفی کی برتری کا یقین اور اس کی اشاعت جو دیوبند کے متعارف اجزائے ترکیبی میں ایک عنصر غالب ہے جس قوت کے ساتھ شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہے، ان کے والد ماجد قدس سرہ العزیز

کے جواب میں جب میں نے اپنی مذکورہ بالا دریافت ذرا تفصیل سے بیان کی تو سننے کے بعد وہ بولے کہ ”مولوی صاحب، اس حقیقت پر تو اکثر دیوبندی بھی مطلع نہیں، اور کھینچ تان کر خود کو ولی اللہی فکر سے جوڑ رہے ہیں، حالانکہ دیوبندیت کے امام تو صرف ہی دُعا امام وقت ہیں۔“

سلہ یہاں اپنے ایک پرانے خیال اور پھر اس میں تجربہ و آگاہی کے بعد تبدیلی کا ذکر بھی مناسب ہے۔ ایک عرصہ تک میرا خیال یہ رہا ہے کہ دیوبند کو اپنا تعلق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے کیوں نہ قائم کرنا چاہئے۔ غالباً ہندوستان میں اپنی مخصوص نوعیت کے اعتبار سے حدیث کے سلسلہ میں ان کی خدمات کچھ کم و قیچ نہیں، شروح حدیث میں شاہ صاحب مرحوم کے قلم سے جو کچھ جو اہر پارے تیار ہوئے انھیں تو جاننے دیجئے، ان کے صاحبزادہ شیخ نورالحق کی شرح بخاری بھی ایک زمانہ میں معروف و متداول رہی، اس خانوادہ کی خدمات علماء ولی اللہی کے کتب کی طرح اگرچہ جلیل و وقیع نہیں تاہم حدیث و قرآن سے ہند کو واقف کرانے میں شیخ عبدالحق مرحوم کا بھی بہر حال حصہ ہے۔ مگر پھر

کے یہاں اس کا نام و نشان بھی نہیں ہے اگر بے بھی تو نہایت گول و مول، دبا دبا یا اور یہی وہ بنیادی فرق ہے جو شاہ صاحب مرحوم سے کم از کم فقہ میں دیوبند کو دور یہاں کرکھڑا کرتا ہے۔ ”وَالْقَصَّةُ بَطُولُهَا“ اس لئے میں اس نتیجہ پر پہنچی کہ دیوبندیت

یہ رائے بھی بدل گئی۔ اول تو اس وجہ سے کہ شیخ مرحوم تک ہماری سند ہی نہیں پہنچتی۔ نیز حضرت شیخ عبدالحق کا فکر کلینہ دیوبندیت سے جوڑ بھی نہیں کھاتا۔ غالباً میری یہ بات بہت سوں کو چونکا دینے والی ہو مگر اس موقع پر میں ایک جلیل اور صاحب نظر عالم کی رائے میں اپنے لئے پناہ ڈھونڈتا ہوں۔ سنا ہے کہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری مرحوم فرماتے تھے کہ ”شامی اور شیخ عبدالحق پر بعض مسائل میں بدعت و سنت کا فرق واضح نہیں ہو سکا۔ بس اسی اجمال میں ہزار ہا تفصیلات ہیں جنہیں شیخ کی تالیفات کا مطالعہ کرنے والے خوب سمجھیں گے۔“

۱۔ میری ان تصریحات سے یہ سمجھنا کہ امام الدہلوی کی عقیدت میں یہ حقیر کسی سے کم ہے مجھ پر ایک ظلم ہو گا۔ کیا عرض کروں اپنی موجودہ حالت کو اسی امام وقت کا ایک روحانی فیض و نصرت باور کرتا ہوں جس زمانہ میں یعنی ۱۲۹۴ھ میں ہندوپاک کے دو اہل حق ہونے خطوط سے پہلے دہلی میں پنجاب یونیورسٹی سے متعدد اردو و فارسی امتحان دینے کے بعد براہ راست انگریزی میں پڑچکا تھا اور جن حالات میں اگر موت آجاتی تو غالباً موت جا بیٹھتا۔ یہی ہوتی۔ ہر جہہ کو سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا اور سیدنا امام الدہلوی کے ہر انوار مزارات پر برابر حاضری ہوتی اور جو دعائیں ہوتیں ان کی تفصیل کئے بغیر موجودہ مشغلہ انہیں بزرگوں کے روحانی نصرت تسلیم کرتا ہوں دوسروں سے منو، نے کی کوئی جدوجہد پیش نظر بھی نہیں۔ اب بھی دہلی کا کوئی سفر غالباً الامام کے مزار پر حاضری کے بغیر نہیں ہوتا اور بارہ سال سے تین بار ایصالِ ثواب کا الحمد للہ معمول ہے تاہم جو بات کہہ رہا ہوں وہ ایک نہ ایک دن کہی جائے گی پس اعتراضات و نکتہ چینی اور ”نومہ لائم“ کے خطرہ سے بچے نیاز ہو کر میں ہی کیوں نہ اعتراض کروں۔“

کے واقعی امام وہی دوزرگ ہیں جن کا نام آپ مجھ سے سن چکے، الحاج سونی روشن ضمیر، مولانا عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ بلاشبہ دارالعلوم کے ابتدائی بانی ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ آفاقی اور عالمی درسگاہ کے تخیل سے مرحوم کا دل و دماغ قطعاً خالی تھا، ایک عظیم درسگاہ جو آفاقی تصورات کی حامل ہو کلیتہً حضرت مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مرہون منت ہے، نیز ابتدائی آویزشیں جو حضرت مولانا قاسم صاحب اور حاجی عابد حسین مرحوم میں رہیں، جن کی محتاط تعبیر شکر ربی، یا مشاہرات ہی سے ہو سکتی ہے، میرے نزدیک اس کی واقعیت صرف اتنی نہیں کہ عمارت کے مختصر یا وسیع کرنے پر دونوں بزرگوں کا اختلاف تھا، جیسا کہ میں اپنے بزرگوں سے برابر سنتا رہا، مجھے عرض کرنے دیجئے کہ یہ آویزش خالص "نظر پائی جنگ تھی میں تفصیلات میں تو ہرگز نہیں جاؤں گا اس لئے کہ وہ ایک دلخراش تاریخ کا باب ہے لیکن اپنے علم و مطالعہ کی بنیاد پر، اتنا ضرور عرض کروں گا کہ جو دیوبند حضرت حاجی عابد حسین الفاضل کی زیر تربیت بن رہا تھا، وہ یقیناً اس دیوبند سے مختلف ہوتا جس کا آج تعارف اور شہرت، عالم اسلامی سے گذر کر اقصائے عالم میں پہنچ چکی ہے بلکہ اس لئے تسلیم کرنا ہو گا کہ موجودہ عمارت کے بانی ہونے کے ساتھ فکر اور تخیل کے امام بلاریب حضرت مولانا قاسم صاحب علیہ الرحمۃ ہیں، جن کی پوری جد و جہد میں حضرت گنگوہی ثانی اثنین کی حیثیت سے ہر مرحلہ پر کھڑے نظر آتے ہیں۔

میں سمجھنے کے لئے صرف اتنا عرض کر سکتا ہوں کہ چھتہ کی مسجد جہاں سے دارالعلوم کی ابتدا ہوئی ہے، حضرت حاجی صاحب مرحوم کی نشہ نگاہ ہی مقدس عمارت ہے۔ اس مسجد میں رمضان المبارک کے چاروں جمعوں میں اب تک میلاد حضرت حاجی صاحب کی یادگار میں جاری ہے، میں نے کیا لکھا بس اسی اجمال میں نکتہ سیخ اسی ساری تفصیلاً پڑھ لیں جسے میں نے کم از کم تاریخ نگاری کے تلخ فریضہ کے قطعاً خلاف سنانے سے پہلو پچا لیا۔

مآخذ

منحطوطہ

اسلامی علوم میں حاجی امداد اللہ کی خدمات و اثرات ڈاکٹر نصیر احمد خاں

مطبوعات

ارواحِ ثلاثہ	ظہیر الحسن کسولوی	سہارنپور ۱۳۴۵ھ
اطیب البیان	سید نعیم الدین مراد آبادی	شرکتِ نعیمیہ دہلی ۱۹۹۵ء
اقبال کے حضور	نذیر نیازی	اقبال کمیٹی کراچی ۱۹۷۶ء
انوارِ قاسمی	انوار الحسن شیر کوٹی	لاہور
تاریخ دارالعلوم دیوبند	سید محبوب علی رضوی	دہلی ۱۹۷۷ء
تاریخ دیوبند	سید محبوب علی رضوی	علمی مرکز دیوبند ۱۹۷۷ء
تاریخ سہارنپور	منشی نند کشور	مطبع مرئی دھر ۱۹۷۹ء
تحریک پاکستان اور علانیہ دیوبند	حافظ محمد اکبر شاہ بخاری	کراچی ۱۹۷۷ء
تذکرۃ العابدین	نذیر احمد دیوبندی	دہلی ۱۹۷۷ء
تعبیر (نویا) (غواب نامہ)	حضرت ابن سیرین	مکتبہ ۱۹۳۸ء
جغرافیہ ضلع سہارنپور	فصیح الدین	مطبوعہ ۱۹۷۵ء
حالات جناب طیب مولوی محمد قاسم محمد یعقوب علی		بھاولپور ۱۹۷۰ء
دائرة المعارف الاسلامیہ		دانش گاہ پنجاب لاہور ۱۹۷۰ء
دہلی اور اس کے اطراف	حکیم سید عبدالحئی	دہلی
ردود دارالعلوم دیوبند (مجلس منتظم)		مطبوعہ ۱۹۷۳ء
سوانح قاسمی	مناظر احسن گیلانی	دیوبند ۱۹۷۵ء
صابری سلسلہ	وحید احمد مسعود	بڑا لہور ۱۹۷۵ء
فیضانِ امام ربانی	عبدالحکیم اختر شاہ بھپانپوری	لاہور ۱۹۷۹ء